سیرت

میزبانِ رسولؐ

حضرت ابو ایوبؓ انصاریؓ



طالب ہاشمی



قومی کتب خانہ (رجسٹرڈ) لاہور

سیرت حضرت ابو ایوب انصاریؓ

مؤلف : طالب ہاشمی

ناشر : محمد احسن ہمایوں
برائے قومی کتب خانہ لاہور

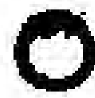
طابع : محمد احسن ہمایوں

مطبع : تعمیر پرنٹنگ پریس
۱۹ - فیروز پور روڈ لاہور

جدید ایڈیشن مع اضافہ جات : بار دوم

تعداد : تین ہزار ۳۰۰۰

قیمت : بیس روپے -/۲۰



ستمبر ۱۹۸۳

اللہ کے ان پاکباز اور برگزیدہ بندوں کے نام

جن کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(سورۂ توبہ آیت - ۱۰۰)

وہ مہاجر اور انصار، جنھوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ اُن سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے اُن کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاریؓ کی قسمت کو

رسول اللہ سلام انصار کا لیتے ہوئے گزرے
زباں سے خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے گزرے
ہر اک مشتاق تھا پیارے نبیؐ کی میہمانی کا
تمنا تھی شرف بخشیں مجھی کو میزبانی کا
بہت ہی کشمکش تھی اشتیاقِ میزبانی کی
نبیؐ نے اس عقیدت کی نہایت قدردانی کی
کہا تم سب مرے بھائی ہو آپس میں برابر ہو
تونگر ہے وہی جو زہد و تقویٰ میں تونگر ہو
اقامت کو مگر میں نے خدا پر چھوڑ رکھا ہے
کہ ناقے کو فقط اس کی رضا پر چھوڑ رکھا ہے
رکی یکبارگی ناقہ بحکمِ حضرتِ باری
جہاں اک سمت بستے تھے ابو ایوب انصاریؓ
فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاری کی قسمت کو
ابو ایوبؓ گھر میں لے گئے سامانِ رحمتؐ کو
"مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد"
(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

ترتیب

✸	عنوان	صفحہ نمبر
○	یہ کتاب (مولانا نعیم صدیقی)	۱۵
⊙	پیش لفظ (مؤلف)	۲۳
⊙	نسب اور خاندان ——	۲۷
	نام اور کنیت	۲۷
	سلسلۂ نسب	۲۸
	ولادت	۲۹
	خاندان	۲۹
⊙	مدینہ طیبہ اور انصار ——	۳۷
	شہر جمال مدینہ منورہ	۳۷
	فضائل مدینہ منورہ	۳۹
	خصائص مدینہ منورہ	۴۰
	مدینہ کے قدیم باشندے	۴۳
	اوس اور خزرج کی مدینہ میں آمد	۴۵

	یثرب میں یہودیوں کی آمد	۵۰
	ایام الانصار	۵۲
	زمانۂ جاہلیت میں انصار کا تمدن	۵۵
	اسلام سے پہلے انصار کا مذہب	۵۶
○	صبح سعادت کا طلوع —	۶۱
	نبی آخر الزماں ؐ کا انتظار	۶۱
	سوید الکامل	۶۴
	ارضِ یثرب کا پہلا مسلمان	۶۸
	چھ سعید روحیں	۶۹
	چراغ سے چراغ جلنے لگا	۷۰
	بیعت عقبہ اولیٰ	۷۱
	مدینہ میں حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی	۷۲
○	مقدس پیمانِ وفا —	۷۷
	شمع توحید کے پچھتر پروانے	۷۷
	خدمتِ نبوی میں حاضری	۸۰
	انصار کے بارہ نقیب	۸۴
	قریش کی تلملاہٹ	۹۲
○	سید الانبیاءؐ کی ہجرت —	۹۷
	جور و ستم کا ہولناک طوفان	۹۷

	کفار کی ناپاک سازش	۹۸
	ہجرتِ نبویؐ	۱۰۰
	قبا میں ورودِ مسعود	۱۰۹
	مسجدِ قبا کی تاسیس	۱۱۲
○	زمینِ یثرب رشکِ فلک بن گئی	۱۱۵
	تاریخ اسلام کا ایک تابناک ورق	۱۱۵
	سرورِ کونینؐ کی پہلی نمازِ جمعہ	۱۱۶
	سرورِ کونینؐ کا فقید المثال استقبال	۱۱۶
○	یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا	۱۲۳
	اشتیاق و تمنا کی بے تابیاں	۱۲۳
	یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا	۱۲۴
	سید البشرؐ کی والہانہ محبت	۱۲۷
	حضرت عبداللہؓ بن سلام آغوشِ اسلام میں	۱۳۰
	مسجدِ نبوی کی تعمیر	۱۳۲
	خاندانِ ابوایوبؓ کا ایک اور شرف	۱۳۷
	حضرت ابوایوبؓ کے حق میں دعائے حفظ	۱۳۸
○	نبوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی	۱۴۱
	مواخاۃ	۱۴۱
	رشتۂ مواخاۃ کی حکمت	۱۴۶

انصار کا فقید المثال ایثار و اخلاص	۱۴۸
○ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مواخاتی بھائی	۱۵۱
پاکباز نوجوان	۱۵۱
الوداع اے ارضِ مکہ الوداع	۱۵۴
○ تین سو تیرہ میں سے ایک	۱۶۱
راہِ حق کے تین سو تیرہ سرفروش	۱۶۱
جنگِ بدر کی اہمیت	۱۶۳
غزوہ بدر کے اسباب و علل	۱۶۴
سریۂ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش	۱۶۶
قریش کی یلغار	۱۶۸
انصار رضی اللہ عنہم کا جوشِ جہاد	۱۶۹
میدانِ بدر	۱۷۰
ایک عجیب نظارہ	۱۷۱
لڑائی کا آغاز	۱۷۵
شوقِ شہادت کی انتہا	۱۷۸
واہ واہ اے حارثہ	۱۷۹
ابوالبختری کا قتل	۱۸۱
ابوجہل کا قتل	۱۸۲
فتح مبین	۱۸۵

○	**بیعتِ رضوان**	۱۸۹
	جنگِ احد اور احزاب میں شرکت	۱۸۹
	بیعتِ رضوان	۱۹۳
	صلح حدیبیہ	۱۹۶
○	**غزوۂ خیبر سے حجۃ الوداع تک**	۲۰۵
	غزوۂ خیبر میں شرکت	۲۰۵
	فتح مکہ	۲۰۶
	جنگِ حنین	۲۱۱
	انصار کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس	۲۱۴
	غزوۂ تبوک	۲۱۶
	حجۃ الوداع میں سرورِ عالمؐ کی ہمرکابی	۲۱۷
○	**حیدرِ کرارؓ کی پُرجوش رفاقت**	۲۱۹
	وصالِ نبوی کے بعد	۲۱۹
	عہدِ فاروقی کے معرکوں میں شرکت	۲۲۱
	مسلمانوں کی امامت	۲۲۲
	وظیفہ اور اعزاز میں اضافہ	۲۲۲
	امارتِ مدینہ	۲۲۳
	جنگِ نہروان	۲۲۴

○	میدانِ جہاد میں سفرِ آخرت	۲۲۹
	ایک عظیم بشارت	۲۲۹
	فضیلتِ جہاد	۲۳۱
	قیصرِ روم کے خلاف جہاد	۲۳۲
	جہادِ قسطنطنیہ	۲۳۴
	میدانِ رزم میں	۲۳۶
	مرض الموت اور وصیّت	۲۳۸
	تجہیز و تدفین	۲۳۹
	فتح قسطنطنیہ	۲۴۱
	تربتِ ابوایوبؓ کی تلاش	۲۴۶
	درگاہ حضرت ابوایوب انصاریؓ	۲۴۸
	مدینہ منوّرہ میں آثار ابوایوبؓ	۲۵۰
○	خانگی زندگی	۲۵۵
	ازواج و اولاد	۲۵۵
	ذریعۂ معاش	۲۵۹
○	عظمتِ کردار	۲۶۳
	حُبِّ رسولؐ	۲۶۳
	خاندانِ نبوت سے تعلقِ خاطر	۲۶۵
	شوقِ جہاد	۲۶۶

حق گوئی و بیباکی	۲۶۷
غلام نوازی	۲۶۹
جذبۂ اصلاح	۲۷۰
حیا	۲۷۰
○ فضل و کمال	۲۷۱
حفظِ قرآن	۲۷۱
علمی مرتبہ	۲۷۲
تفقہ فی الدین	۲۷۲
○ شغفِ حدیث	۲۷۵
طلبِ حدیث	۲۷۵
اشاعتِ حدیث	۲۷۸
روایت حدیث	۲۷۸
○ کتابیات	۲۸۳

اہم حواشی

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	ہاشم بن عبد مناف	۲۹
۲	حلیمہ سعدیہؓ	۳۲
۳	حضرت اُمّ ایمنؓ	
۴	سیلِ عَرِم	۴۶
۵	وہ نبی	۶۲
۶	لقمان	۶۴
۷	حضرت اسعدؓ بن زرارہ	۷۲
۸	حضرت سعدؓ بن معاذ	۷۳
۹	حضرت اسیدؓ بن حضیر	۷۳
۱۰	حضرت سعدؓ بن عبادہ	۷۹
۱۱	حضرت سراقہؓ بن مالک بن جعشم	۱۰۸
۱۲	حضرت کلثومؓ بن الہدم	۱۱۱
۱۳	حضرت انسؓ بن مالک	۱۲۳

۱۴	حضرت انسؓ بن نضر	۱۵۸
۱۵	حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی	۱۹۴
۱۶	حضرت سہیلؓ بن عمرو	۱۹۸
۱۷	حضرت حبابؓ بن منذر انصاری	۲۲۰
۱۸	حضرت سہلؓ بن حنیف	۲۲۱
۱۹	حضرت اُمّ حرامؓ	۲۲۹
۲۰	آقا شمس الدینؒ	۲۴۳
۲۱	خواجہ عبداللہ انصاریؒ	۲۵۶
۲۲	حضرت عُقبہؓ بن عامر جہنی	۲۷۳
۲۳	حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری	۲۷۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ کتاب

جس سے روشنی پھوٹتی ہے

ایک مسلمان کے نقطہ منظر سے جب میں اپنے معاشرے کے روز افزوں اخلاقی انحطاط کو دیکھتا ہوں، اور بحیثیتِ مجموعی پوری نوعِ انسانی علمی ترقیات کے باوجود، انسانیت کے مقامِ شرف سے جتنی زیادہ نیچے گرتی جا رہی ہے اس پر غور کرتا ہوں تو میرا پورا وجود ایک دردمندانہ اضطراب میں گھر جاتا ہے۔

کاش کہ تاریکی کے اس تسلط کو بیک جنبش برطرف کر دینا ممکن ہوتا۔ مگر تاریخ کے قوانین و عوامل کے رُو سے ایسا ہوتا نہیں۔ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اصحابِ ایمان و شعور جتنے بھی دیئے جلا سکتے ہوں، جلاتے چلے جائیں تاکہ ظلمت زدگان کے دلوں میں روشنی کی پیاس اور روشنی کی محبت پیدا ہو اور تاریکیوں سے نجات پانے کا جذبہ!

اس مقصد کے لیے کام کرنے کی ایک بہت ہی مؤثر و مبارک راہ یہ ہے کہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی مقدس و مبارک زندگیوں اور سیرتوں کو خواص و عوام

اور اپنوں اور بیگانوں کے سامنے ضو افگن کیا جائے۔ اس طرح کے کام کا میدان بڑا وسیع ہے، اور اردو میں اب تک جو قابلِ قدر اور گراں بہا کام ہو چکا ہے، اس سے بہت زیادہ کام ابھی مردانِ کار کے انتظار میں ہے۔

مجھے دلی مسرت ہے کہ اس سلسلے میں میرے ایک مخلص محب جناب طالب ہاشمی نے اپنے لیے بہت ہی اچھا میدانِ کار تلاش کیا ہے۔ حضور پیغمبر آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے بعد اُن صحابۂ کرامؓ[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیتوں کی تجلیاتِ ایمان و کردار کو پھیلانا ایک عظیم کام ہے۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تزکیہ سے تیار کیا اور جن کے جلال و جمال میں خود معلّم و مزکّی کی سیرت کا انعکاس ملتا ہے۔ یہ تھیں وہ ہستیاں جن کے ایثار و تعاون سے الہامی ہدایت کی بنیادوں پر ایک مثالی سوسائٹی اور نمونہ کی ایک اسلامی ریاست صورت پذیر ہوئی۔ ان کی سیرتوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ قرآن کے انسانِ مطلوب کے خد و خال کیا ہیں، حیاتِ طیبہ کیا ہوتی ہے جس کے ثمرات میں حسناتِ دنیا اور حسناتِ آخرت ہیں، نیز ایسے لوگوں کے تعاون سے کس شان کا معاشرہ تیار ہوتا ہے۔

جناب طالب ہاشمی جنہوں نے متعدد دوسری تصانیف کے علاوہ سیر الصحابہ و اکابرِ ملت کے سلسلہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، عبداللہ بن زبیرؓ، سلطان نورالدین زنگیؒ، الملک الظاہر بیبرس، ملک شاہ سلجوقی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور خواجہ اجمیریؒ کی سیرت و سوانح پر بہت جامع کتابیں لکھی ہیں، ان کے قلم سے

---

[1] ارشادِ نبویؐ: اَلصَّحَابِیُ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (او کما قال)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات پر مشتمل ایک کتاب میرے سامنے ہے جس کا ترمیم شدہ ایڈیشن پریس میں جانے کے لیے تیار ہے۔

ظہورِ اسلام کا قرنِ سعادت جو بلا واسطہ قائدِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انوار سے مالا مال ہوا، اُس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے جن اصحابِ کبار کے احوال و مقامات کا مطالعہ ضروری ہے اُن کی صفِ اوّل میں جو چند نام گنوائے جا سکتے ہیں، ان میں سے ایک حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) کا مبارک نام بھی ہے۔

ہاشمی صاحب نے اپنے لکھے ہوئے پیش لفظ بر موقعہ اشاعت اوّل میں اجمالاً اس رتبۂ بلند کا ذکر کر دیا ہے جو خدائے بخشندہ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کو ارزانی فرمایا۔ آپ انصارِ مدینہ کے سابق الاوّلون میں سے تھے۔ انہوں نے بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں (زمانہ تیرھویں سالِ نبوت کا تھا) اوس و خزرج کے ۷۳ مردوں اور ۲ خواتین کے ساتھ حضورؐ سے پیمانِ وفا باندھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آنے پر میزبانِ رسولؐ بنے، وہ ۳۱۳ مجاہدینِ بدر میں سے ایک تھے، وہ ان چودہ سو اصحاب الشجرہ میں شامل تھے جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان کی سعادت حاصل کی، انہوں نے تمام غزواتِ نبویؐ میں حصہ لیا، وہ ضعیفی کے عالم میں (جبکہ عمر ۸۰ برس سے زیادہ تھی) جہادِ فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار ہوکر اسلامی لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچے اور وہیں اس عالمِ فنا سے دارِ آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ حفظِ قرآن اور علم و تفقہ سے بہرہ مند تھے، ان کے ذریعے متعدد احادیث اُمت کو پہنچیں اور بعض مواقع پر آپ نے غیر مشروع امور اختیار کرنے یا عبادات و اخلاق کے معیار میں کمی پر ... حق گوئی کا حق ادا

کیا۔ اسی موقع پر آیت قرآنی لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کی جو صحیح تفسیر آپ نے بیان فرمائی، اس سے اگر دل منور نہ ہوتے تو امت کا مزاج ہی دوسرا بن جاتا۔

میرا کام ان تعارفی سطور کو لکھتے ہوئے یہ نہیں ہے کہ میں ان مختلف مباحث پر تحقیق کروں اور پھر اپنی آراء کی روشنی میں بحثیں اٹھاؤں۔ میرے لیے یہی امر باعثِ تسلی ہے کہ طالب ہاشمی صاحب ایمان و اخلاص سے بہرہ مند ہیں، دین و ملت کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، مطالعہ و تحقیق ان کا مستقل مشغلہ ہے اور وہ جب بلندپایہ اسلاف کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو سرسری قسم کی مضمون نگاری نہیں کرتے بلکہ اچھی اچھی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یوں تاریخ اور سِیَر کے دوائر ایسے ہیں کہ ان میں سلسلہ ہائے نسب، اشخاص، واقعات کی تفصیلات اور متعلقہ تاریخوں اور سنین پر بحثیں اٹھتی ہی رہتی ہیں۔ مثلاً اس کتاب کے ابتدائی مباحث میں یہ سوالات کہ انصار قحطانی تھے یا اسمٰعیلی، مدینہ میں وہ کب آئے، کون سے سیلِ عَرِم کے بعد ان کے مورث نے علاقۂ سبا کو چھوڑا، وغیرہ ایسے ہیں کہ ان پر پہلے بھی بحثیں ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گی۔ کسی کے نزدیک ایک طرح کی روایات کا پلڑا جھکتا ہوا ہوگا، کسی کے نزدیک دوسرا۔ جہاں تک خود حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی سیرت و سوانح کا تعلق ہے، اس میں اگر غور و بحث کے اکا دکا مواقع ہوں بھی تو تفاصیل میں ہو سکتے ہیں۔ مجموعی نقشۂ کردار اور سلسلۂ واقعات میں کیا اختلاف!

ہاشمی صاحب نے جس بھی صحابیؓ کے حالات لکھے ہیں، اس میں سیرت النبیؐ کا جو ذکر لازم آتا ہے، اس سے کچھ بڑھ کر پورا وہ واقعہ یا معاملہ بیان کر دیتے ہیں جس کے نقشے میں کسی صحابی کا کردار زیادہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ یعنی شخصیتوں کے

تذکرے کے ساتھ ساتھ تاریخِ اسلام کے ابتدائی ابوابِ سعادت بھی سامنے آجاتے ہیں۔

ایک بات کی ضرورت جو مجھے خود اپنی کتاب (محسنِ انسانیت) کے بارے میں محسوس ہوئی، اس کو بطور مشورہ طالب ہاشمی صاحب سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ دَور جس میں جہالت نے علم کا زرق برق لباس پہن رکھا ہے اور اس پر ڈگریوں اور ڈپلوموں کے تمغے سجا رکھے ہیں، اس میں علومِ دین اور عربی زبان سے بُعد اتنا بڑھ گیا ہے کہ اپنی کتابوں میں صحابہ کرامؓ، دیگر متعلقہ اعلام اور مقامات اور کتب کے ناموں کو لازماً اعراب کے ساتھ لکھنا ضروری ہو گیا ہے۔[۱]

---

[۱] میں نے ریڈیو سے (جو پوری قوم کا معلّم ہے) خود مشہور صحابی سلمہؓ بن الاَکوَعْ کا نام سلمہؓ بن اکوَع (بلکہ "ع" کے ادا نہ ہونے کی وجہ سے اَکوَ) سُنا اور سر دُھنا۔ اسی طرح معاصر علماء کے عربی ناموں کا بھی ریڈیو والوں کے ہاتھوں حلیہ بگڑتے دیکھا۔ مثلاً اگر کہنا ہے بِنْ اَلسَّعُوْد تو کہیں گے بِن اَلسعُوْد۔ بچاروں کو عربی کے شمسی و قمری حروف کا فرق کیسے معلوم ہو۔ اُدھر بی۔بی سی سے ہمارے اردو کے نمائندگان نہایت اچھی زبان بولتے ہوئے عربی الفاظ آنے پر بڑے لطائف پیدا کرتے ہیں مثلاً مُعْتَدبِہ کو مُعْتَدَبِہٖ بار بار بولا جا چکا ہے۔ اسی سلسلے میں یاد آیا کہ لاہور سے لندن تک — ایک اور لفظ — بار بار ہوا کی لہروں پر سوار کانوں کو چھیدتا ہوا گزرتا ہے، وہ ہے "مُثبَت" اصل عربی لفظ ہے "مُثْبَت" اور بطور غلط العام رائج ہے مُثْبِت۔ لفظوں کا حلیہ بگاڑنے والوں کی زد سے معانی بچارے کب محفوظ رہ سکتے ہیں اور بہت مثالیں ہیں مگر یہاں زیادہ تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔ فی الحقیقت ہمارے دَور کے لوگ لغت کی طرف تو رجوع کرتے ہی نہیں۔ یہی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس بابرکت کتاب کے متعلق مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے! ـــ اور کیا کہوں؟ بس یہ دعا ہے کہ جیسا کہ جناب مؤلف نے ذاتی طور پر مجھ سے اپنے آئندہ عزائم کا اظہار کیا ہے، ان کے قلم پُر بہار کی شاخ پر ایسے اور بھی حسین پھول کھلیں۔ نیز خود فراموشی طاری کرنے والی کہانیوں اور ان سے حاصل ہونے والے وسیع مالی فوائد کے اس دور میں! خود شناسی اور خدا شناسی کا درس دینے والی جو کتابیں طالب ہاشمی صاحب اپنی بھاری مصروفیات میں سے وقت نکال کر لکھ رہے ہیں، انھیں خدا تعالیٰ قبولیتِ عام عطا فرمائے اور ان کے ذریعے خیانت و فحاشی میں ڈوبتی ہوئی زندگیوں میں سے زیادہ سے زیادہ تعداد کو بچا نکالے

عوام پسند اور منفعت بخش مگر عوام کو فلاح وسعادت سے دور لے جانے والی تحریریں لکھنا اور بیچنا ایسا ہی ہے جیسے دکھ درد دور کرنے والی دواؤں کے بجائے لوگوں کو "راکٹ" اور "ہیروئن" اور "ایل، ایس، ڈی جیسی تباہ کن نشّیات فراہم کی جائیں اور اپنے ہی برادرانِ دین و وطن کی زندگیاں تباہ کر کے ان کی جیبوں پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ جو مصنّف ایسے عوام پسند اور عوام بگاڑ نفع بخش مشغلوں سے کنارہ کر کے ان کی حقیقی فلاح کے لیے کام کرتا ہے اور اپنے کام سے دنیا میں نہایت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ سبب ہے کہ تلفظ اور املا کی غلطیوں کی بھرمار ہو گئی ہے۔ میں تو اس کا قائل ہو گیا ہوں کہ جو قوم زبان کے معاملے میں لاپروا ہو، وہ معاشرت میں بدسلیقہ، معیشت میں خستہ حال اور سیاست میں شعور سے خالی ہو گی۔

معمولی فائدہ بصد مشکل حاصل کرتا ہے، وہ ایک ایسی قربانی پیش کرتا ہے جس سے دنیا میں اسے اس خیال سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے کہ کارے کردم، اور آخرت میں اس قربانی کی بہترین جزا اس کے لیے مقدر ہوتی ہے۔ خدا و رسول کی محبت، دین کی سربلندی، اور عوام کی بھلائی کے لیے خلوص سے لکھا ہوا ایک ایک لفظ آخرت میں میزانِ عمل کے نیکی کے پلڑے کا وزن بڑھا دے گا۔

مجھے امید ہے کہ ہاشمی صاحب کا تصنیفی کام ان کے لیے بہترین سرمایۂ آخرت ہوگا۔

نیاز کیش:-
نعیم صدیقی
۴-فروری ۱۹۷۶ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

حضرت ابوایوب انصاریؓ تاریخ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ان کے اسم گرامی سے ناآشنا ہو۔ حضرت ابوایوبؓ آسمانِ فضیلت کا بدرِ کامل تھے۔ ان کی پوری زندگی سالارِ انبیاء سید البشر رحمۃ للعالمین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اطاعت، جاں نثاری اور تائید و نصرت میں گزری۔ ان کی عظمت و شان کیا تھی اس کا اندازہ آپ ان واقعات سے کر سکتے ہیں:

(۱) وہ انصار کے سابقون الاولون میں سے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں نزولِ اجلال فرمانے سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

(۲) انہوں نے بیعتِ عقبہ کبیرہ میں اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مقدس پیمان وفا باندھا کہ وہ اپنی جان، مال اور اولاد کے ساتھ آپؐ کی مدد اور حفاظت کریں گے۔

(۳) ان کو اس ذاتِ اقدس ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا جو باعثِ تکوینِ روزگار ہے اور یہ اتنا عظیم شرف تھا کہ دوسرے صحابہ کرامؓ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔

(۴) وہ میدانِ بدر کے تین سو تیرہ نفوسِ قدسیہ میں سے ایک تھے۔

(۵) وہ ان چودہ سو صحابہ عظام میں شامل تھے جو بیعتِ رضوان سے مشرف ہوئے اور ایسی سرفروشی اور فداکاری کا مظاہرہ کیا کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال ناپید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فخرِ موجودات ﷺ کے ان جاں نثاروں کو "اصحاب الشجرہ" کے نام سے پکارا اور کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی۔

(۶) وہ ان دس ہزار قدوسیوں میں سے ایک تھے جن کو فتح مکہ کے وقت ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

(۷) وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں والہانہ شوق سے شریک ہوئے۔

(۸) وہ خلافتِ راشدہ میں بھی برابر جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں جب کہ ان کی عمر اسّی برس سے اوپر تھی ایک طویل اور پرصعوبت سفر کے بعد محض جہاد فی سبیل اللہ کے لیے قسطنطنیہ پہنچے اور میدانِ جہاد میں واصل بحق ہوئے۔

یہ کتاب اسلام کے اسی بطلِ جلیل کی سیرت ہے۔ اسے مرتب کرتے وقت عاجز نے جہاں تک بن پڑا کوشش کی ہے کہ میزبانِ رسول ﷺ کی زندگی کا کوئی واقعہ چھوٹنے نہ پائے۔ اگر کوئی واقعہ معرضِ تحریر میں نہیں آسکا یا تفصیل سے قلم بند نہیں کیا جاسکا تو اس کی وجہ مؤلف کی علمی بے بضاعتی یا بعض کمیاب کتابوں تک اس کی نارسائی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکمل سوانح حیات پیش کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مدینہ منورہ اور انصارؓ کی اجمالی تاریخ۔ سرورِ کونینﷺ

کی سیرتِ پاک کی کچھ جھلکیاں اور تاریخِ اسلام کے بعض ایسے واقعات جن کا حضرت ابو ایوبؓ سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے، اس کتاب میں درج کر دیئے جائیں۔ اس طرح یہ ایک ایسا مرقع بن گئی ہے جس میں آپ جابجا راہِ حق میں بلاکشی، سرفروشی، فداکاری اور عشقِ رسولؐ کی ایمان افروز اور پاکیزہ تصویریں دیکھ سکیں گے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اگر ایک مسلمان کی آنکھیں بھی درد اور خلوص کے آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور اس کے دل میں رحمتِ دو عالمؐ اور حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی محبت کا جذبہ موجزن ہو گیا تو یہ عاجز سمجھے گا کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

زمدحِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

آخر میں یہ عاجز نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ قارئین کرام سے پُرسوز دعائے خیر کی استدعا کرتا ہے نیز درخواست کرتا ہے کہ وہ ازراہِ کرم اس کتاب کے اسقام سے اسے مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انھیں دور کیا جا سکے۔

والسلام

راجی مغفران و شفاعت

طالب الہاشمی

لاہور

(۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء (مطابق ۷ جمادی الاول ۱۳۸۲ھ ہجری)

(نظرِ ثانی یکم دسمبر ۱۹۷۵ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا

نسب اور خاندان

نام اور کنیت

"خالد" نام اور "ابوایوب" کنیت تھی۔ چونکہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھے اس لیے بعض دفعہ انہیں المالکی اور انصار کے ازدی ہونے کی وجہ سے "الازدی" بھی لکھا جاتا ہے۔

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کی کنیت "ابوایوب" اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ بہت کم لوگوں کو ان کا اصل نام معلوم تھا۔ جس پُر آشوب زمانے میں باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہ نماز کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے بعض اصحاب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے درخواست کی کہ وہ مسجد نبوی میں آ کر نماز پڑھائیں۔ حضرت علیؓ نے خود تو نماز پڑھانے سے معذرت کر دی البتہ فرمایا کہ "خالد بن زید سے کہو وہ نماز پڑھائیں"

لوگوں نے پوچھا "کون خالد بن زید ؟"

آپ نے فرمایا "ابوایوب" اس دن عامۃ الناس کو حضرت ابوایوبؓ کا

اصل نام معلوم ہوا۔

اردو کی بعض تاریخوں میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام حضرت "ایوب انصاری" دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ "ایوب" حضرت خالدؓ بن زید کے ایک بیٹے کا نام تھا اور انہیں کے نام کی نسبت سے ان کی کنیت "ابوایوب" تھی۔

سلسلۂ نسب

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

خالد (ابوایوبؓ)

بن

زید

بن

کلیب

بن

ثعلبہ

بن

عبدعوف خزرجی

حضرت ابوایوبؓ کی والدہ کا نام ہند (اور ایک دوسری روایت کے مطابق زہرا) بنت سعد خزرجی تھا۔ وہ حضرت ابوایوبؓ کے والد زید بن کلیب کی ماموں زاد

بہن تھیں۔

ولادت

حضرت ابوایوب انصاریؓ ہجرتِ نبوی سے اکتیس برس قبل (۴۰ عام الفیل میں) یثرب (مدینہ منورہ) میں پیدا ہوئے۔

خاندان

حضرت ابوایوب انصاریؓ انصارِ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ "بنو نجار"[۱] سے تعلق رکھتے تھے اور خاندان "بنو نجار" کے رئیس تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پردادی سلمٰی (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) مدینہ منورہ کے خاندان "بنی نجار" ہی سے تھیں۔ حضرت ہاشم بن عبد مناف[۲] (رسول اکرمؐ کے پردادا) ایک دفعہ تجارت

---

[۱] بنو نجار کے مورثِ اعلیٰ کا نام تیم اللات (یا بروایتِ دیگر تیم اللہ) بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج تھا۔ اس کے لقب نجار کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے کسی شخص کو تیشے سے ہلاک کر دیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے اپنا ختنہ اپنے ہاتھ سے کیا تھا اس لیے نجار مشہور ہو گیا۔

[۲] ہاشم کا اصل نام عمرو تھا اور وہ عمرو العلا کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ قریش کے رئیس اور بڑے باا ثر، صاحبِ صولت اور فیاض آدمی تھے انہوں نے تجارت کو نہایت ترقی دی اور قیصرِ روم اور حبش کے شاہ نجاشی سے قریش کے سامانِ تجارت پر محصول معاف کروا لیا ایک

(باقی اگلے صفحہ کے حاشیہ پر)

کے لیے شام جا رہے تھے۔ راستے میں ان کا قیام مدینہ منورہ میں ہوا۔ وہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا۔ جس میں اہلِ مدینہ اور قرب جوار کے لوگ کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ اتفاق سے ان دنوں مدینہ میں یہی بازار لگا ہوا تھا۔ ہاشم بازار میں گئے تو وہاں ایک حسین و جمیل خاتون پر نظر پڑی۔ جس کے بشرہ سے نجابت اور حیا ٹپکتی تھی۔ ہاشم نے اس کے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ سلمیٰ نام ہے اور خاندان بنو نجار سے ہے۔ حضرت ہاشم نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔ شادی کے بعد ہاشم چند دن مدینہ منورہ میں ٹھہرے اور پھر اپنی منزلِ مقصود شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں پیغامِ اجل آ پہنچا اور وہ غزہ کے مقام پر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت سلمیٰ حمل سے تھیں۔ چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیبہ[لہ] رکھا گیا۔ یہی شیبہ جو بعد میں "عبد المُطّلِب" کے نام سے مشہور ہوئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ شیبہ عبد المُطّلِب کے نام سے کیوں مشہور ہوئے؟ اربابِ سیر نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں ان میں معتبر ترین روایت یہ ہے کہ شَیبہ نے آٹھ برس تک مدینہ منورہ میں اپنی والدہ کے پاس پرورش پائی۔ اس کے بعد ہاشم کے بھائی مُطّلِب بن عبد مناف انہیں مدینہ سے اپنے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دفعہ مکہ میں قحط پڑا اس وقت وہ مالِ تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے قحط کا حال سنا تو تمام اونٹوں پر آٹا اور روٹیاں (یا اناج) لاد لائے اور مکہ پہنچ کر لنگر جاری کر دیا۔ گوشت کے شوربے میں روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے اور ہر ایک کو دعوت دیتے تھے کہ آ کر اس میں سے کھائیں عربی میں ہشم ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں اسلیئے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔

لہ بعض روایتوں میں ہے کہ عبد المطلب کا اصل نام "شیبۃ الحمد" تھا۔

مکّہ لے آئے اور نہایت محبت اور دلسوزی سے ان کی پرورش کی۔ چونکہ یتیم تھے اس لیے لوگوں میں عبدالمُطّلِب (غلامِ مُطّلِب) کے نام سے مشہور ہو گئے۔

• خاندانِ بنو نجّار" یوں تو خود ہی ایک ممتاز خاندان تھا۔ لیکن حضرت عبدالمُطّلِب کا ننہال ہونے کی وجہ سے (اور یوں بالواسطہ سرورِ دوعالمؐ سے قرابت داری کی بدولت) یہ قبائلِ مدینہ میں ممتاز ترین خاندان سمجھا جاتا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے محبوب چچا سید الشہدا حضرت حمزہؓ بن عبدالمُطّلِب کی ایک بیوی خولہؓ بنت قیس بھی بنو نجار سے تھیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی مدینہ طیبہ کے خاندان بنو نجّار سے تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راویوں کو اس معاملہ میں کسی وجہ سے تسامح ہوا ہے۔ حضرت آمنہ قریش کے قبیلہ زہرہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنے والد وہب بن عبد مناف کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کے پاس پرورش پائی۔ وہیب کی صاحبزادی ہالہ کی شادی حضرت عبدالمُطّلِب سے ہوئی اور حضرت آمنہ کا عقد حضرت عبداللہ بن عبدالمُطّلِب سے ہوا۔ ہالہ کے بطن سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صرف چچا ہی نہیں بلکہ خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

حضرت آمنہ سے عقدِ نکاح کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت عبداللہ بن عبدالمُطّلِب تجارت کے لیے شام گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ میں ٹھہرے اور چند دن بیمار رہ کر یہیں وفات پائی۔ گمانِ غالب ہے کہ مدینہ منورہ میں ان کا قیام بنو نجّار کے ہاں ہی ہوا ہو گا۔ اس وقت حضرت آمنہ حمل سے تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد حضرت عبدالمُطّلِب کی سرپرستی میں آگئیں۔ چند ماہ بعد سرورِ کائناتؐ عالمِ قدس سے

عالم امکان میں تشریف لائے ۔ چند برس تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پائی۔[1] اس کے بعد حضرت آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف

---

[1] حلیمہؓ بنت ابو ذویب عبداللہ بن حارث جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا قبیلہ ہوازن کے خاندان بنو سعد سے تھیں۔ خاوند کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔ بنو سعد جن کی فصاحت و بلاغت کا سارے عرب میں شہرہ تھا، طائف کے قرب و جوار میں بود و باش رکھتے تھے اس جگہ کی آب و ہوا نہایت عمدہ تھی۔ شرفائے مکہ اپنے شیرخوار بچوں کو بالعموم قرب و جوار کے بدوی دیہات کی عورتوں کے سپرد کر دیتے جو ایک خاص مدت تک دیہات کی کھلی آب و ہوا میں ان کی پرورش کرتیں اور پھر انہیں اپنے والدین کے سپرد کر آتیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد بنو سعد کی کچھ عورتیں مکہ آئیں ان میں حلیمہؓ بھی تھیں۔ دوسری عورتوں نے مالدار لوگوں کے بچے لے لیے اور مکہ کے دُرِ یتیمؐ حضرت حلیمہؓ کے حصے میں آئے۔ حلیمہؓ خود اپنا حال بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ آئی تو ملک میں قحط پڑ رہا تھا نہ جنگل میں گھاس تھی نہ جانوروں کے تھنوں میں دودھ۔ سواری کے جانوروں سے چلا نہ جاتا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک ہمارا شیرخوار بچہ تھا اور ایک اونٹنی اور ایک گدھا جن کے کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا اور میرے دودھ نہ اترتا تھا اس لیے بچہ بھوکا تڑپتا تھا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس آنا تھا کہ ہماری حالت ہی بدل گئی میری خشک چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں اور دونوں بچوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ اونٹنی جو ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی اس کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے اور اس کا دودھ دوہ کر خوب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لے گئیں۔ گویا سرزمینِ مدینہ آقائے دو جہاں کے قدومِ میمنت لزوم سے پہلی مرتبہ اس وقت مشرّف ہوئی جب حضورؐ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت آمنہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سیر ہو کر پیا۔ مکّہ سے چلنے لگے تو ہمارا مریل گدھا اور اونٹنی ایسی تیز رفتاری سے چلے کہ سارے قافلے کو پیچھے چھوڑ دیا۔ مکان پر پہنچے تو ہماری بکریوں کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے اور ہم آسودہ حال ہو گئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حلیمہؓ کے پاس باختلافِ روایت پانچ یا چھ برس تک پرورش پائی۔ پھر وہ آپؐ کو حضرت آمنہ اور عبدالمطلب کے سپرد کر آئیں۔ اس کے بعد وہ کافی عرصہ زندہ رہیں اور جمہور علماء کے نزدیک دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ نے بھی حضورؐ کی بعثت کے بعد مکّہ جاکر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت حلیمہؓ کی اولاد سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے چار رضاعی بہن بھائی تھے۔ عبداللہ، حذیفہ، انیسہ اور حذافہ (شیما) ان میں سے عبداللہ اور حذافہ (شیما) کا اسلام لانا ثابت ہے دوسروں کا حال معلوم نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ عہدِ نبوت میں حضرت حلیمہؓ ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس آئیں تو آپؐ "میری ماں میری ماں" کہہ کر ان سے لپٹ گئے اور نہایت محبت اور احترام سے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی۔ حضورؐ اپنے رضاعی والد اور بہن بھائیوں کی بھی بڑی توقیر کرتے تھے۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ حضورؐ گاہے گاہے مال اور اسباب کی صورت میں حضرت حلیمہؓ کی امداد کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حلیمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے انھیں چالیس بکریوں کا ریوڑ دے کر رخصت فرمایا۔

حضرت حلیمہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

خاندانِ "بنو نجار" کے ہاں مقیم ہوئیں۔ اس سفر میں اُمِّ ایمنؓ بھی حضرت آمنہؓ کے ہمراہ تھیں۔ اُمِّ ایمنؓ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی لونڈی تھیں اور ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو والد ماجد کے ترکہ میں ملی تھیں۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ اپنے خسر حضرت عبدالمطلب کے ننھیالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئی تھیں۔ لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ "سیرۃ النبیؐ" میں لکھتے ہیں :-

"یہ رشتہ دُور کا رشتہ تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق پر اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ جو مدینہ میں مدفون تھے۔"

حضرت آمنہ کے سفر کی غرض وغایت کچھ بھی ہو اتنا ضرور ثابت ہے کہ ان کی میزبانی کا شرف "بنو نجار" ہی کو حاصل ہوا۔ حضرت آمنہ نے اپنے لختِ جگرؐ اور اُمِّ ایمنؓ کے ساتھ کم و بیش ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ واپسی کے سفر میں جب ابواء کے مقام پر پہنچیں تو بیمار ہو گئیں اور داعئ اجل کو لبیک کہا۔ یتیم مکہ رحمتِ عالمؐ، اُمِّ ایمنؓ کے ساتھ مکہ پہنچے۔ ؎

؎ حضرت اُمِّ ایمنؓ بڑی جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ نام برکہ بنت ثعلبہ تھا اور آبائی وطن حبش تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں ان کی وفات کے بعد حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو آپؐ کی حضانت اور تربیت کا شرف حضرت اُمِّ ایمنؓ ہی کو حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جوان ہوئے تو
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بچپن میں اپنے قیامِ مدینہ کی بہت سی باتیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدت العمر یاد رہیں۔ ہجرت کے بعد ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نجار کے محلے سے گزرے

وہ وراثۃً حضورؐ کے حصے میں آئیں۔ آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

اُمِّ ایمنؓ کا پہلا نکاح عبید بن زید سے ہوا۔ انہوں نے وفات پائی تو حضورؐ نے ان کا نکاح حضرت زیدؓ بن حارثہ سے کر دیا۔ اُمِّ ایمنؓ نے دو ہجرتیں کیں پہلے حبش کو ہجرت کی پھر وہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ جنگِ احد اور خیبر میں انہیں زخمیوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی تیمارداری کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام ایمنؓ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور فرماتے تھے "ام ایمن میری ماں ہیں۔" حضورؐ انہیں "امی" کہہ کر خطاب فرماتے اور اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک گرانقدر جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ بعض اوقات حضورؐ ان سے مزاح بھی فرماتے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضورؐ سے سواری کا جانور مانگا۔ حضورؐ نے فرمایا "میں تمہیں اونٹ کا بچہ دوں گا۔" عرض کی "یا رسول اللہ اونٹ کے بچے کو میں کیا کروں گی؟" حضورؐ نے فرمایا۔ "میں تو تمہیں اونٹ کے بچے پر ہی بٹھاؤں گا۔"

ام ایمنؓ سادہ مزاج تھیں حضورؐ کا لطیف مزاح نہ سمجھ سکیں۔ پھر جب حضورؐ نے فرمایا کہ ہر اونٹ اونٹ ہی کا تو بچہ ہوتا ہے تو خوش ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو بہت روتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے تسلی دی تو کہا میں اس لیے روتی ہوں کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ شہید ہوئے تو کہا "آج اسلام کمزور پڑ گیا۔"

حضرت اُمِّ ایمنؓ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو فرمایا۔ "یہی وہ مکان ہے جہاں میری والدہ مرحومہ نے قیام کیا تھا۔ یہی وہ باؤلی ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ یہی وہ میدان ہے جہاں میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور یہی وہ قلعہ ہے جس کے اوپر پرندے آکر بیٹھتے تھے اور بچے انہیں اڑایا کرتے تھے۔"

"خاندان بنو نجار" کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت عزیز جانتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انصار کے گھرانوں میں سب سے بہتر گھرانے بنو نجار کے ہیں، پھر بنو عبدالاشہل کے پھر بنو حارث کے پھر بنو ساعدہ کے اور بہتری تو انصار کے سبھی گھرانوں کے لیے ہے۔" اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اگر میں انصار کے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو "بنو نجار" میں شامل ہوتا۔"

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو اسی عظیم خاندان کے رئیس ہونے کا شرف حاصل تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان کے پہلے شوہر سے ایک بیٹے ایمنؓ بن عبید تھے۔ انہوں نے جنگِ حنین میں مردانہ وار لڑکر شہادت پائی۔

دوسرے شوہر شہیدِ موتہ حضرت زیدؓ بن حارثہ سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ دوسرے صحابہ ان پر رشک کرتے تھے۔

مدینہ طیبّہ اور انصار

شہرِ جمال مدینہ منوّرہ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ اس شہر مقدس کے رہنے والے تھے جس کا غبار "سرمۂ چشم کائنات ہے یعنی شہرِ جمال" مدینہ منوّرہ "۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل اس کا نام یثرب تھا۔ آپؐ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا اور پھر آپؐ کی ہجرت کے بعد اس کا نام "مدینۃ النبیؐ" (یعنی رسول اللہ کا شہر) مشہور ہو گیا۔ آخر میں یہی نام مختصر ہو کر المدینہ رہ گیا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں مدینہ کے انیس نام لکھے ہیں یعنی یثرب۔ مدینہ۔ طیبہ۔ قدسیہ۔ عاصمہ۔ محرمہ۔ محبوبہ۔ جابرہ۔ ناجیہ۔ موفیہ۔ محفوفہ۔ مرزوقہ۔ مرحومہ۔ مختارہ۔ قاصمہ۔ طبابا۔ اکالۃ البلدان مبارکہ۔ جبیبہ۔ طابہ۔

علامہ سمہودیؒ نے وفاء الوفاء میں مدینہ منورہ کے نوّے سے زیادہ نام گنائے ہیں اور لکھا ہے :- ان کثرۃ الاسماء تدل علی شرف المسمی ولم اجد۔ اکثر من اسماء هذه البلدة الشریفة (ناموں کی کثرت مسمی کے شرف پر دلالت کرتی ہے اور میں نے اس شہر سے زیادہ کسی شہر کے نام نہیں پائے۔) قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوریؒ مصنف رحمۃ للعالمینؐ

کی تحقیق کے مطابق مدینہ کا نام انبیاء سابق کی کتابوں میں سلع تھا۔ لیکن اکثر مورخین اور ارباب سیر کے نزدیک مدینہ منورہ کا سب سے قدیم مشہور نام یثرب ہی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے کیونکہ "یثرب" اہلِ مدینہ کے ایک بُت یا وہاں کے ایک کافر کا نام تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ یثرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ بعض اسے تثریب کا مشتق بتلاتے ہیں۔ جس کے معنی ملامت کرنے کے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہجرتِ نبویؐ سے قبل اس شہر میں بخار کی ایک وبا پھیلا کرتی تھی جو ہر سال سینکڑوں باشندوں کو موت کی نیند سلا دیتی تھی۔ اسی وبا کی وجہ سے اس شہر کو یثرب کہتے تھے کیونکہ یثرب کے معنی ماتم اور رونے پیٹنے کے ہیں ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کے لیے دُعا فرمائی جس کے نتیجہ میں یہ وبا ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی اور اہلِ مدینہ پر بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل ہوئیں۔

تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ لفظ یثرب ایک مصری لفظ تریبس (یا اتھریبس) کی تعریب ہے نیز یہ کہ زمانۂ قدیم میں اہلِ یونان یثرب کو اتریا (IATHREPPA) کہتے تھے۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کی تعمیر کا زمانہ ۲۲۰۰ سنہ قبل مسیح اور ۲۶۰۰ سنہ قبل مسیح کے درمیان ہے۔

مدینہ منورہ شہرِ جلال مکہ معظمہ سے دو سو اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۶۱۹ میٹر ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ صرف ۲۸ درجہ تک بڑھتا ہے اور جاڑوں میں کافی سردی ہوتی ہے۔ اس "شہرِ خنک" کا نام سُن کر دنیا کے ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی مقدس۔ ارفع و اعلیٰ جگہ ہے جس کی عظمت اور محبت ہر فرزندِ توحید کے دل میں جاگزین ہے یعنی

روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ؎

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

(اقبالؒ)

فضائلِ مدینہ منوّرہ

مدینہ منوّرہ کی فضیلت میں نہایت کثرت سے حدیثیں آئی ہیں اور ان میں سے اکثر صحاح میں موجود ہیں۔ یہ رحمۃٌ للعالمین کا محبوب شہر تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو فضائل و برکات سے مالا مال کر دیا۔ مدینہ کے فضائل کے بارے میں ہم چند احادیث یہاں درج کرتے ہیں:۔

۱۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ جو برکت تو نے مکہ کو مرحمت فرمائی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ کو عطا فرما۔ (صحیحین)

۲۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ فریب کرے گا اور انہیں دکھ دے گا وہ اس طرح گھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں۔ (صحیحین)

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مدینہ کے دروازوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں وہاں نہ طاعون آسکتا ہے نہ دجّال۔ (صحیحین)

۴۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ (خود) اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو طابہ کا نام دیا۔ (مسلم)

۵۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت کے بعد دعا مانگی۔ "الٰہی مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا جیساکہ ہم کو مکہ محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، خداوندا اس کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اس کی اشیائے خورد و نوش اور فصلوں میں برکت دے اور بخار کو یہاں سے نکال کر جحفہ کو منتقل کر دے۔ (صحیحین)

۶۔ حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص (اہلِ ایمان) کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں فوت ہو تو وہ یہاں ہی فوت ہو کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والے ہر (اہلِ ایمان) شخص کی شفاعت کروں گا۔

(مسند احمد و ترمذی)

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مدینہ پاک ہے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال پھینکتی ہے۔ (مسلم)

۸۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مدینہ کی سختیوں پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہونگا۔ (مسلم)

خصائصِ مدینہ منوّرہ

قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر سے مدینہ منورہ کے بیشمار فضائل اور خصائص اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:-

۱۔ اس میں ایک ایسی مبارک جگہ ہے جس کی بے مثال عظمت و فضیلت پر تمام عالمِ اسلام کا اجماع ہے۔ یعنی روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم۔

۲۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس اور منبر کے درمیان جنّت کا ایک باغ ہے۔

۳۔ حق تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے: لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین مدینہ کو خود اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے: اَلَم تکن ارض اللّٰه واسعة کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی۔

۵۔ اکثر صحابہ کرامؓ مدینہ منوّرہ میں مدفون ہیں۔

۶۔ حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ کی یہ فضیلت بیان کرتے تھے کہ وہ دار الہجرۃ ہے۔ دار السنۃ ہے۔ شہداء سے معمور ہے۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد امت کے بہترین لوگ وہاں موجود ہیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی امداد و اعانت کے لیے اہلِ مدینہ کا انتخاب کیا۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

۸۔ مدینہ منوّرہ کو ہمیشہ کے لیے دار السلام قرار دیا گیا۔

۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا۔

۱۰۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود اپنے ہاتھ سے اس میں مسجد تعمیر فرمائی۔

۱۱۔ مسجد نبویؐ میں نماز کا اس قدر ثواب ملتا ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۱۲۔ نماز کے علاوہ مدینہ میں ہر عبادت کا ثواب مکّہ سے زیادہ ملتا ہے۔

۱۳۔ مدینہ منوّرہ میں جبلِ احد ہے جس کی نسبت حضورؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم کو اور ہم اس کو چاہتے ہیں۔

۱۴۔ مدینہ منورہ میں کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر سرورِ دو عالمؐ نہ چلے ہوں۔

۱۵۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ کے لیے بہ کثرت دعائیں کی ہیں اور اس کو حبیبہ، طابا اور طیبہ کہہ کر پکارا ہے۔

انصارؓ

لفظ "انصار" ناصر یا نصیر کی جمع ہے۔ انصار مدینہ منوّرہ کے ان مقدس باشندوں کا لقب ہے جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور ہجرت کے بعد فخرِ کون و مکان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجرینِ اسلام کو نہ صرف اپنے گھروں میں اتارا بلکہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ ہر طرح عون و نصرت کا حق ادا کیا۔ اس کے عوض اللہ تعالےٰ نے انھیں انصار کے نام سے حیاتِ جاوید عطا کی۔ ان کے شہر کو اپنے محبوب افضل البشر سید الانبیاء ہادیٔ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ اور مستقل اقامت گاہ بنا دیا۔ اور اسے دنیا بھر کے فرزندانِ توحید کے لیے رگِ جاں سے عزیز تر بنا دیا۔ قرآنِ کریم میں انصار کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ" (انفال، رکوع ۱۰)

ترجمہ:۔ "اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔"

انصار دو قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک کا نام "خزرج" اور دوسرے کا نام "اوس" تھا۔ اوس و خزرج مدینہ میں کب آباد ہوئے۔ طلوعِ اسلام سے قبل ان کا مذہب اور تمدّن کیسا تھا یہ ایک طویل داستان ہے جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں۔

تاہم اس کے اجمالی تذکرہ کے بغیر چارہ بھی نہیں کیونکہ قبیلہ بنو نجار جس کے سرداروں میں حضرت ابو ایوبؓ تھے "انصار" ہی کی ایک شاخ تھا۔ طلوعِ اسلام سے قبل اوس و خزرج کی تاریخ و تمدن کے مختلف پہلوؤں پر ہم یہاں نہایت مختصر الفاظ میں روشنی ڈالیں گے۔

مدینہ کے قدیم باشندے

مدینہ کو عمالیق (یا عمالقہ) نے سنہ ۱۶۰۰ ق م اور سنہ ۲۲۰۰ ق م کے درمیان آباد کیا تھا۔ عمالیق کا سلسلہ نسب عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام سے ملتا ہے[1] یہ لوگ تمام ملک عرب میں پھیل گئے تھے۔ بحرین عمان اور حجاز سے لے کر شام اور مصر تک ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ مدینہ میں ان کے جو قبائل آباد ہوئے ان کا نام بنو ہفان۔ سعد بن ہفان اور بنو مطرویل تھا۔ ایک اور قول کے مطابق یثرب کو یثرب بن قانیہ بن مہلابیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ نے آباد کیا۔ عمالیق کے بعد یہود مدینہ میں آ کر آباد ہوئے۔ وہ کن حالات میں مدینہ پہنچے اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

---

[1] قبائل بائدہ کے سلسلہ نسب کے متعلق علمائے انساب کی رائیں اس قدر متعارض ہیں کہ کسی ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دینا بے حد مشکل ہے۔ ہم نے جو سلسلۂ نسب نقل کیا ہے یہ معجم البلدان (یاقوت حموی) سے لیا گیا ہے۔ دو دوسرے مؤرخین نے یہ سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

(۱) عمالیق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ (معارف ابن قتیبہ) (۲) عملیق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ (قلقشندی)

ایک فوج حجاز کی طرف روانہ کی اور اسے ہدایت کی کہ جو لوگ یہودی مذہب قبول کرلیں سوائے ان کے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑنا۔ چنانچہ اس فوج نے عمالیقؔ کو شکست دے کر ارضِ حجاز پر قبضہ کرلیا اور ان کی ایک کثیر تعداد مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہوگئی۔

ایک مدت کے بعد رومیوں نے شام پر فاتحانہ یلغار کی اور یہودیوں کا قتلِ عام شروع کردیا۔ مشہور یہودی قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر اس وقت شام میں آباد تھے وہ اس قتلِ عام سے بچنے کے لیے شام سے بھاگ کر حجاز چلے آئے اور اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ آباد ہوگئے۔

ایک اور مشہور روایت یہ ہے کہ علمائے یہود نبی آخرالزماںؐ کی آمد پر یقین رکھتے تھے اور توراۃ کے ذریعہ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ نبی آخرالزماںؐ کا دارالہجرت ایک ایسا شہر ہوگا جو دو پتھریلی زمینوں کے درمیان نخلستان سے گھرا ہوا ہوگا۔ چنانچہ ایسے شہر کی تلاش میں وہ اپنے آبائی وطن شام سے نکلے۔ اپنی سمجھ کے مطابق جس قبیلہ نے کسی شہر یا آبادی کو ان خصوصیات کا حامل پایا وہیں آباد ہوگیا۔ بعض تیماء کے نخلستانوں میں آباد ہوگئے۔ بعض نے خیبر کو اپنا مسکن بنایا اور ایک کثیر تعداد یثرب میں اقامت گزین ہوگئی۔ طبری کے بیان کے مطابق یہودی بخت نصرؔ کے حملہ کے وقت شام سے حجاز آئے۔ بہرصورت عمالیق کے بعد یہود نے مدینہ اور اس کے نواحی علاقوں پر دُور دور تک شاہانہ اقتدار قائم کرلیا تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ قلعے بنا لیے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔ آل و اولاد اور دولت کی کثرت میں کسی دوسرے قبیلے کو ان سے ہمسری کا یارا نہ تھا۔ قطع نظر اس کے کہ یہ لوگ اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے ان کے اقتدار اور تموّل میں کسی کو کلام نہیں۔

اوس اور خزرج کی مدینہ میں آمد

عین اس وقت جب مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک یہود کے اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اوس و خزرج نام کے دو قبائل کا ورود مدینہ میں ہوا۔ عرب مؤرخین نے عام طور پر اوس و خزرج کو قحطانی النسل یعنی عرب عاربہ لکھا ہے۔ لیکن تازہ ترین تحقیق کے مطابق اوس و خزرج قحطانی نہیں بلکہ اسمٰعیلی یعنی عرب مستعربہ تھے[۱] اور نابت بن اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن جلد دوم میں اور مولانا سعید انصاری نے سیر انصار جلد اوّل میں نہایت ٹھوس دلائل سے اوس و خزرج کو اسماعیلی (آلِ اسمٰعیل) ثابت کیا ہے۔ نابت (نابط) بن اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد ان کی اولاد

---

[۱] اہلِ عرب تین بڑے قبیلوں کی اولاد ہیں،

(۱) بائدہ (۲) عاربہ (۳) مستعربہ

بائدہ ان قبیلوں کا نام تھا جنھوں نے طوفانِ نوح کے بعد عرب پر حکومت کی۔ یہ سب عذابِ الٰہی یا گردشِ زمانہ کی لپیٹ میں آکر ناپید ہو گئے۔ عاد۔ ثمود۔ عمالیق۔ جدیس۔ طسم وغیرہ عرب بائدہ ہی تھے۔

عاربہ وہ قبائل ہیں جو بائدہ کے ہمعصر تھے اور ان کے بعد عرب میں حکومت کی۔ قحطان، سبا۔ حمیر وغیرہ انہی میں داخل ہیں۔

مستعربہ سے وہ قبائل مراد ہیں جو حضرت اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے اور شمالی عرب میں بود و باش رکھتے تھے۔

عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ آلِ اسمٰعیل کی متعدد شاخوں میں ایک شاخ "ازد" یا اسد کے نام سے موسوم ہوئی۔ قبیلہ ازد کسی نامعلوم زمانہ میں یمن جاکر آباد ہوگیا تھا۔ یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا جسے قرآن میں "سیلِ عرم"[1] کا نام دیا گیا ہے۔ اس

---

[1] سورۂ سبا میں سیلِ عرم کا ذکر اس طرح آیا ہے

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝

ترجمہ:۔ بلاشبہ سبا کے لیے خود اپنے گھر میں ایک نشانی موجود تھی، دو باغ دائیں اور بائیں اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ عمدہ و پاکیزہ شہر (ملک) ہے اور بخشش کرنے والا پروردگار۔ مگر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیجا اور ان کے پہلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور بیری کے کچھ جھاڑ۔ یہ تھی ان کی ناشکر گزاری کی جزا جو ہم نے ان کو دی اور ہم تو صرف ناشکرے انسانوں کو ہی ایسا بدلہ دیتے ہیں۔

سبا جنوبی عرب (یمن) کی ایک بڑی قوم کا نام تھا اس کا دورِ عروج گیارہ سو برس قبل مسیح میں شروع ہوا اور وہ ایک تجارت پیشہ، متمدن اور خوشحال قوم کی حیثیت سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۵۰ ق م) کو اسی قوم کی ملکہ سے سابقہ پڑا تھا۔ اس کا قصہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے کچھ عرصہ پہلے یا کچھ عرصہ بعد تو قبیلہ ازد نے یمن سے کوچ کیا۔ اس وقت اس قبیلہ کا رئیس عمرو بن عامر تھا (جو مزیقیاء کے لقب سے مشہور ہے) اسی مزیقیاء کے پڑپوتے دو بھائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سورۂ نمل میں مذکور ہے۔ قوم سبا کی تاریخ کے اہم ادوار یہ ہیں۔

۶۵۰ ق م سے پہلے کا دور - اس دور میں سبا کے حکمرانوں کا لقب مکرّب تھا یہ اپنی قوم کے مذہبی پیشوا بھی تھے۔ اس لیے انہیں کاہن بادشاہ (مکارب سبا) کہا جاتا تھا۔ ان کا دارالحکومت صرواح تھا۔

۶۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک کا دور - اس دور میں سبا کے حکمرانوں نے اپنا لقب ملک (بادشاہ) اختیار کر لیا اور اپنا پایۂ تخت صرواح کی جگہ مارب کو بنایا جو یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعا سے ۶۰ میل مشرق کی جانب واقع ہے۔

۱۱۵ ق م سے ۵۲۵ ق م کا دور - اس زمانے میں سبا کی مملکت پر حمیر کا قبیلہ غالب ہو گیا جو قوم سبا ہی کا ایک قبیلہ تھا۔ انہوں نے ریدان (ظفار) کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ حمیریوں نے اپنی سلطنت کو بڑی وسعت دی اور اس میں یمن کے علاوہ حضرموت، نجد اور تہامہ وغیرہ کو شامل کر لیا۔ پڑوسی ملک حبش سے اکثر ان کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یمن پر اہلِ حبش کا استیلا ہو گیا۔ اس کے بعد حمیریوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کر لیا۔ ۵۲۵ء میں حمیری بادشاہ ذونواس کو حبش کے عیسائی حکمران نے شکست دے کر سبائے حمیر کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

قوم سبا نے شہر مارب کے پاس دو پہاڑوں کے درمیان ۱۵۰ فٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا ایک عظیم الشان بند تعمیر کیا تھا۔ اس سے ایک عمدہ نظامِ آب رسانی قائم ہو گیا تھا اور دائیں بائیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اوس وخزرج تھے۔ انصار کے تمام خاندان انہی اوس وخزرج پر جا کر مل جاتے ہیں۔ (بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اوس وخزرج کا ایک تیسرا بھائی عدی بھی تھا۔ لیکن اس کی اولاد اوس و خزرج میں ضم ہو گئی) ازدی قبائل یمن سے نکل کر شام، عراق، نجد، عمان، یمامہ بحرین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دونوں جانب کا تین سو مربع میل کا علاقہ گل و گلزار بن گیا تھا جس میں انواع واقسام کے خوشبودار پودے اور پھلدار درخت تھے۔ یہ بند سدِ مارب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بنیاد یثع امر نامی بادشاہ نے آٹھویں صدی قبل مسیح میں رکھی اور اس کے بعد مختلف بادشاہوں کے عہد میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ قرآنِ حکیم کے مطابق سدمارب کو سیلِ عرم نے توڑ دیا اس کے نتیجہ میں قوم سبا کی زراعت تباہ ہو گئی اور ان کے باغ اجڑ کر بدمزہ پھلوں پیلو اور بیری کے درختوں کے سوا کچھ پیدا کرنے کے قابل نہ رہے اس کے ساتھ ہی ان کی تجارت کے راستے بھی اجڑ گئے اور ان کے قبائل مختلف ممالک (یمن، نجد، حجاز، تہامہ، عمان، شام، عراق) میں منتشر ہو گئے۔

سیلِ عرم جس کا ذکر قرآن میں ہے کس زمانے میں آیا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں بعض نے لکھا ہے کہ یہ سیلاب ۱۱۵ء ق م میں آیا اور بعض نے اس کا زمانہ ۴۴۷ء یا ۴۵۰ء لکھا ہے۔ سدِ مارب ٹوٹنے کے بعد کئی بار اس کی مرمت بھی ہوئی۔ آخری بار یہ بند ۵۴۳ء میں ٹوٹا اور اس سال یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے اس کی مرمت کرا دی۔ اب بھی یہ بند شکستہ حالت میں موجود ہے اور اس کا ایک تہائی حصہ بدستور قائم ہے۔

اور عرب کے دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔ ان قبائل کی ایک شاخ ثعلبیہ میں مقیم ہوئی۔ جب اس کی تعداد میں اضافہ ہوا تو وہ ثعلبیہ کی سکونت ترک کر کے یثرب میں آکر آباد ہوگئی۔ یہی قبائل اوس و خزرج تھے جو بعد میں انصار کہلائے۔ شروع شروع میں ان لوگوں نے نہایت عسرت کے ساتھ محکومانہ زندگی بسر کی۔ یہود سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے انہوں نے بھی اپنے قلعے اور مکانات بنا لیے۔ ایک عرصہ تک وہ یہود بنو قریظہ و بنو نضیر کو خراج دیتے رہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

نؤدی الخرج بعد خراج کسریٰ　　　　وخرج بنی قریظہ والنضیر

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "ارض القرآن" میں اس دور کے اوس و خزرج اور یہود کا موازنہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اوس و خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں ان (یہود) سے زیادہ تھے لیکن سامان دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر تھے۔ اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اوس و خزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بنا دونگا"

غرض ایک مدت تک یہی حالت رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ اوس و خزرج کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی اور ان میں آزادی اور خودسری کے جذبات ابھرنے لگے۔ دوسری طرف یہود بھی چوکنے ہو گئے اور دونوں قوموں میں ایک دوسرے کے متعلق بداعتمادی پیدا ہوگئی۔ یہ اس کشمکش کا نقطۂ آغاز تھا۔ جو آگے چل کر یہود کے شاہانہ زور و قوت کی تباہی پر منتج ہوئی۔ اس کا موقع خود یہود نے

فراہم کر دیا۔ مؤرخین نے اس کے متعلق ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ جس کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

یثرب کے یہودیوں کی تباہی

جس زمانے کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں اس زمانہ میں اوس وخزرج کا سردار مالک بن عجلان تھا اور یہود کا سردار فیطوان یا فیطون[1] تھا۔ فی الحقیقت وہ اوس و خزرج اور یہود دونوں کا حاکم تھا۔ کیونکہ معاہدہ کے مطابق اوس وخزرج اس کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ یہ شخص نہایت جابر اور بدکار تھا۔ اس نے حکم دیا کہ یثرب کی جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے وہ اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک رات اس کے عشرت کدہ میں بسر کرے۔ یہود نے تو اس حکم کو گوارا کر لیا لیکن اوس و خزرج کی ایک غیور لڑکی نے اپنے خاندان کی غیرت اور حمیت کے خوابیدہ جذبے کو بُری طرح جھنجھوڑا۔ یہ لڑکی مالک بن عجلان رئیس اوس وخزرج کی حقیقی بہن تھی۔ اتفاق سے انہی ایام میں اس لڑکی کی شادی ہوئی۔ رخصتی کا وقت آیا تو وہ اپنی پنڈلیوں کو عریاں کر کے بھری مجلس میں آگئی۔ مالک بن عجلان اسے اس حالت میں دیکھ کر سخت غضبناک ہوا اور بہن کو ملامت کی۔ اس غیور لڑکی نے بھائی کو جواب دیا۔

"آج رات جو کچھ پیش آنے والا ہے کیا تمہیں اس پر غیرت نہیں آتی۔ تم میری عریاں پنڈلیاں تو نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہیں یہ گوارا ہے کہ تمہاری

---

[1] بعض روایتوں میں اس کا نام فطیون اور قیطون بھی لکھا ہے۔

بہن اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک غیر شخص کے پاس رات گزارے"
بہن کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر مالک بن عجلان سکتے میں آگیا۔ اس کا قومی جذبۂ غیرت بیدار ہوگیا اور اس نے اپنی ناموس کے لیے جان پر کھیلنے کا تہیہ کرلیا اور باہم یہ رائے قرار پائی کہ بنتِ عجلان رات کو جب سہیلیوں کے ہمراہ فطیون کی خلوت گاہ میں جائے تو مالک بھی زنانہ لباس میں اس کی سہیلیوں میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ رات کو مالک بھی زنانہ لباس میں بہن کے ہمراہ فطیون کے محل میں داخل ہوگیا اور موقع پاکر فطیون کو تلوار کے ایک ہی وار سے جہنم واصل کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں کی نظر بچا کر محل سے باہر نکلا اور مخفی طور پر شام کے غسانی بادشاہ ابوجبیلہ کے پاس بھاگ گیا۔ بنو غسان اور اوس و خزرج ہم نسب تھے۔ مالک نے جب یثربی یہودیوں کے ظلم وستم کی داستان ابوجبیلہ کو سنائی تو اس کی نسبی اور قبائلی غیرت حرکت میں آگئی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک یثرب کے یہودیوں کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچالے گا ہر قسم کے عیش و آرام سے مجتنب رہے گا۔ چنانچہ غسانیوں کا ایک جرار لشکر ابوجبیلہ کی سرکردگی میں یثرب کے قریب ذی حرض کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ یہودی ابوجبیلہ کے عزائم سے آگاہ نہیں تھے اور عام حملہ کی صورت میں ان کے قلعہ بند ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ابوجبیلہ نے حیلہ سے کام لیا پہلے دن اوس و خزرج کے رؤسا کی دعوت کی اور انھیں گرانقدر انعامات سے نوازا۔ دوسرے دن اس نے صلہ و انعام کی توقع دلا کر رؤسائے یہود کی دعوت کی۔ جب وہ سب آگئے تو ان کو ایک خیمہ کے اندر لے جاکر قتل کر دیا۔ یہ پہلا دن تھا کہ یہود کا زور ٹوٹا اور اوس و خزرج نے مدینہ میں اقتدار حاصل کیا۔

ایّام الانصار

اوس اور خزرج (یعنی انصار) کے زمانۂ جاہلیت اور خانہ جنگیوں کو "ایام الانصار" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مدینہ میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد اوس و خزرج کثیر مال و جائداد کے مالک ہوئے اور انہوں نے نہایت کثرت سے قلعے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بڑی برکت دی۔ یہود کے اقتدار کے زمانہ میں وہ ایک ہی جگہ آباد تھے ان کا زور ٹوٹ جانے پر یثرب کے مختلف حصّوں میں دور دور تک پھیل گئے اور ان کی مختلف شاخوں نے اپنے محلّے آباد کر لیے۔ ہر قبیلہ نے متعدد قلعے تعمیر کیے۔ ان کی مجموعی تعداد اسّی اور سَو کے درمیان تھی۔ اوس و خزرج کی مختلف شاخوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے ——

اوس

اوس کا صرف ایک بیٹا تھا۔ مالک۔ اس کی اولاد ان شاخوں میں تقسیم ہو گئی۔

(۱) عمرو بن مالک —— بنیت —— عبدالاشہل —— بنو ظفر

(۲) عوف بن مالک —— بنو عمرو بن عوف (اہلِ قبا) جحجبی

(۳) حشم (یا عبداللہ) بن مالک —— بنو حطمہ

(۴) امراء القیس بن مالک —— بنو واقف

(۵) مرہ بن مالک —— بنو سعد —— بنو عامر —— امیہ —— وائل اور عطیہ

خزرج

خزرج کے پانچ بیٹے جشم ۔ عوف ۔ حارث ۔ عمرو اور کعب تھے ۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہے ۔

(۱) جشم بن خزرج :۔ بنو زید ۔ بنو سلمہ ۔ بنو بیاضہ

(۲) عوف بن خزرج :۔ بنو الحبلیٰ (قبیلہ عبداللہ بن ابی راس المنافقین) بنو قوافل ۔ بنو سالم

(۳) حارث بن خزرج :۔ جشم ۔ زید ۔ عوف ۔ عوف سے حذرہ اور ۔ حذارہ ۔

(۴) عمرو بن خزرج :۔ بنو نجار ۔ (حضرت عبدالمطلب کے ننھیالی لوگ اور حضرت ۔ ابوایوب انصاریؓ کا قبیلہ)

(۵) کعب بن خزرج :۔ بنو ساعدہ (ان کا سقیفہ مشہور ہے ۔ رئیس الانصار حضرت ۔ سعد بن عبادہؓ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔)

مدینہ میں عروج و اقتدار حاصل کرنے کے بعد اوس و خزرج کی تمام شاخیں عرصہ تک باہم متحد رہیں اور اپنی متحدہ طاقت کے بل بوتے پر نہایت دم خم سے زندگی بسر کی ۔ اس کے بعد قبل اسلام کے عرب کی بدویانہ فطرت کے مطابق ان کے درمیان خانہ جنگیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا ۔ جو ایک سو بیس برس تک جاری رہا ۔ اس کی ابتداء جنگِ سمیر سے ہوئی اور اختتام جنگِ بعاث پر ہوا ۔ دوسری مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں :۔

جنگِ کعب بن عمرو ۔ جنگِ سرارۃ ۔ جنگ حصین بن اسلت ۔ جنگِ ربیع

جنگِ بقیع ۔ حرب فارع ۔ حربِ حاطب ۔ جنگِ فجار اوّل ۔ جنگِ فجار ثانی ۔ جنگ معبس ۔ جنگِ مضرس ۔

ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا تو شمار ہی نہیں ۔ اوس و خزرج کی اس طویل باہمی آویزش میں ان کی متحدہ طاقت بالکل پاش پاش ہو گئی اور دونوں خاندانوں کے اکثر نامور لڑ لڑ کر مر گئے ۔ "ایام الانصار" کی آخری لڑائی "جنگِ بعاث" ہجرتِ نبوی سے صرف پانچ سال قبل واقع ہوئی ۔ "بعاث" مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا ۔ اس مقام پر اوس و خزرج کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی ۔ اس جنگ میں یہودیان بنو قریظہ اور بنو نضیر نے "اوس" کا ساتھ دیا اور قبائلِ اشجع اور جہینہ نے خزرج کی مدد کی ۔ جانبین نہایت ثابت قدمی سے لڑے لیکن آخر میں اوس اور ان کے حلیفوں پر ہزیمت کے آثار طاری ہو گئے ۔ یہ دیکھ کر سپہ سالار حُضَیر الکتائب بن سماک (جو مشہور صحابی حضرت اُسیدؓ کا باپ تھا) میدانِ جنگ میں گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور از سرِ نو اپنے قبیلہ میں ایسی جنگی روح پھونکی کہ بھاگتے ہوئے اوسیوں کے قدم جم گئے اور انہوں نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ خزرجیوں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ۔ خزرج کا سردار عمرو بن نعمان بیاضی میدانِ جنگ میں کام آیا ۔ حضیر بھی شدید مجروح ہو گیا اور بعد میں اسی جنگ کے زخموں کی وجہ سے مر گیا ۔ اس لڑائی نے اوس و خزرج کو اس قدر ضعیف اور درماندہ کر دیا کہ ان میں کسی اور جنگ کی سکت نہ رہی ۔ تھک ہار کر وہ قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول کو متفقاً اپنا بادشاہ اور "یثرب کا تاجدار" بنانے پر آمادہ ہو گئے ۔ اسی اثناء میں اسلام کے خورشیدِ جہاں تاب کا طلوع ہوا جس نے اوس و خزرج

کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ " انصار " کے نام سے متحد اور یکجان ہو کر اسلام کے پُر زور دست بازو بنے۔

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ " جنگِ بعاث " مدینہ منورہ میں شجرِ اسلام کی بارآوری کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ صحیح بخاری میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

" جنگ بعاث کو خدا نے اپنے رسولؐ کے لیے کرایا تھا۔ چنانچہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انصار کے عمائد افتراق و انتشار میں مبتلا تھے۔ ان کے رؤسا قتل ہو چکے تھے اور انصار نہایت ضعیف اور درماندہ ہو چکے تھے۔ اس لیے یہ دن خدا نے اپنے رسولؐ پر انصار کے ایمان لانے کے لیے بھیجا تھا۔"

زمانۂ جاہلیّت میں انصار کا تمدّن

بنو اسمٰعیل میں نبطیوں کو سب سے زیادہ متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اوس و خزرج بھی چونکہ نبطی الاصل تھے۔ اس لیے تہذیب و تمدن کے معاملہ میں وہ قبل از اسلام عرب کے اکثر دوسرے قبائل سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ وہ عہدِ قدیم سے جمہوری اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی قیادت ایک سردار اور ایک سپہ سالار کے سپرد ہوتی تھی جنہیں وہ باہم مشورے اور اتفاق سے منتخب کرتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ان دونوں عہدوں کی ذمہ داریاں ایک ہی شخص کو تفویض کر دی جاتیں۔ جب تک اوس و خزرج میں باہم اتحاد رہا۔ ان کا سردار بالعموم قبیلہ خزرج سے

ہوتا تھا۔ لیکن جب ان میں تشتت و افتراق کا دور دورہ ہوا تو دونوں قبائل اپنا سردار الگ الگ منتخب کرنے لگے۔ خزرج کی قیادت بنو ساعدہ کے حصے میں آئی اور اوس کی سیادت خاندان عبدالاشہل کے حصے میں۔ سپہ سالاری کے عہدے کا بھی یہی حشر ہوا۔ لیکن بات یہیں تک ختم نہ ہوئی۔ ان بڑے قبائل کے اپنے اندر بھی تفریق پیدا ہوگئی اور ان کی تمام شاخوں نے اپنے الگ الگ رئیس چن لیے۔ جنگ بعاث کے بعد جب دونوں قبائل کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے اپنے قدیم نظام کی طرف لوٹنا چاہا اور سب نے باہمی رضامندی سے قبیلہ خزرج کے ایک صلح کل اور غیر جانبدار شخص عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن طلوع اسلام نے حالات کا رُخ بالکل دوسری طرف پھیر دیا۔

اوس و خزرج نے باہمی تنازعات کے باوجود مدینہ کو ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت دے رکھی تھی۔ انہوں نے بکثرت قلعے تعمیر کر رکھے تھے اور اپنے اپنے محلوں کے گرد چہار دیواریاں بنا رکھی تھیں ان کے علاوہ ایک بڑی چار دیواری سے سارا شہر گھرا ہوا تھا جسے "سورِ مدینہ" کہا جاتا تھا۔ شہر کی آبادی نہایت گنجان تھی اور اپنی گنجان آبادی قلعوں اور فصیلوں کی وجہ سے وہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا تھا اسی وجہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو "درع حصینہ" یعنی مضبوط زرہ کا خطاب عطا فرمایا۔

اوس و خزرج کے عسکری نظام کی تاریخ میں کسی باقاعدہ فوج کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دونوں قبائل کا ہر شخص سپاہی بن جاتا تھا۔ لڑائیاں کسی خاص نظام کے ماتحت نہیں لڑی جاتی تھیں بلکہ متحارب

فریق میدانِ جنگ سے بھاگ کر اپنے محلے میں چلا جاتا تو عام طور پر اس کا تعاقب نہ کیا جاتا۔ لڑائی کا تماشا دیکھنے والے لوگوں سے کوئی فریق تعرض نہ کرتا تھا لڑائیوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار انصار خود بناتے تھے یا یہود سے خرید تے تھے جو ہتھیار سازی کے ماہر تھے۔ انصار اپنے مُردوں کو دفناتے تھے اور اس مقصد کے لیے مدینہ کے مختلف حصوں میں انہوں نے کئی قبرستان بنا رکھے تھے۔

انصار کے معاش کا انحصار کلیتہً زراعت پر تھا۔ وہ زمینیں کاشت کرتے تھے اور باغات لگاتے تھے۔ مدینہ کی زمین زرخیز تھی اس لیے معاشی لحاظ سے انصار عام طور پر خوشحال تھے۔ بعض لوگوں نے تجارت کو بھی ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ لیکن تجارت کا میدان عام طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ میں ان کے متعدد بازار تھے۔ انصار نے بھی ان سے علیحدہ چند بازار قائم کر لیے تھے۔ تجارت عام طور پر اشیاء کے تبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی کیونکہ مدینہ میں سکہ کا رواج نہیں تھا۔

انصار میں صنعت و حرفت کا رواج شاذ و نادر ہی تھا۔ البتہ بعض لوگوں نے بافندگی، نجاری، حجام اور قصاب وغیرہ کے پیشوں کو اختیار کر رکھا تھا۔

انصار میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا اور وہ عام طور پر جاہل تھے۔ البتہ کچھ لوگ عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے۔ ان میں کچھ آدمی عبرانی بھی جانتے تھے۔ صار رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں کئی پل بنائے تھے۔ پانی کی سبیلیں قائم کرنا ان کے نزدیک نہایت ثواب کا کام تھا۔ عام اہلِ عرب کی طرح انصار بھی بیحد مہمان نواز تھے۔ ایفائے عہد کو جان سے بڑھ کر عزیز جانتے تھے۔ طہارت کے معاملہ میں وہ دوسرے تمام اہلِ عرب سے

ممتاز تھے اور نجاست دور کرنے کے لیے ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی استعمال کرتے تھے۔ نکاح اور وراثت کے معاملات میں ان کا اخلاق بہت پست تھا۔ سوتیلی ماؤں سے شادی جائز سمجھتے تھے اور آبائی جائدادوں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔

اسلام سے پہلے انصار کا مذہب

برکاتِ اسلام سے سعادت اندوز ہونے سے قبل انصار کی مذہبی حالت عام اہلِ عرب سے چنداں مختلف نہ تھی وہ پرلے درجے کے جاہل اور بت پرست تھے۔ "السیرۃ النبویہ" میں ابنِ ہشام لکھتے ہیں :۔

" اوس وخزرج مشرک تھے۔ بتوں کے پرستار تھے۔ جنت دوزخ، بعث، نشر، قیامت، کتاب، حلال وحرام سے ناواقف تھے۔"

زمانہ قدیم میں اوس وخزرج " لات " کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کا مخصوص بت " مناۃ " ہوگیا۔ مناۃ کی ایک سنگی مورت ساحلِ بحرِ احمر کے قریب ایک پہاڑ " مشلل " پر نصب تھی۔ اور تمام اوس وخزرج، آلِ غسان اور کئی دوسرے عرب قبائل اس کو پوجتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے حج میں اوس وخزرج تو احرام اتارنے کی رسم بھی یہیں ادا کرتے تھے۔ لات، عزیٰ اور اہلِ عرب کے دوسرے بتوں کی طرح اوس وخزرج کے نزدیک " مناۃ " بھی ایک دیبی (دیوی) تھی۔ وہ فرشتوں کو بھی دیبیاں سمجھتے تھے اور تمام نظامِ قدرت کو عورتوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ قرآنِ کریم میں اسی کی طرف اشارہ ہے :۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا (نساء) (خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں کو پکارتے ہیں)

صاحب معجم البلدان کا بیان ہے کہ " مناۃ " پتھر کی ایک چٹان تھی اور تمام ازدی قبائل (جن میں اوس و خزرج بھی شامل تھے) اور آلِ غسان اس کو پوجتے تھے اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔"

اوس و خزرج مناۃ کے لکڑی کے بت بنا کر اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ یثرب کے بہت کم گھر ایسے تھے جن میں مناۃ کا چوبی بت موجود نہ ہو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے گھر البتہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ مناۃ کے علاوہ اوس و خزرج کچھ دوسرے بتوں قیس، عزیٰ، ود وغیرہ کی بھی پوجا یا تعظیم کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بت خانہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ ایک شخص اس بت خانہ کے انتظام اور نگرانی پر مقرر ہوتا تھا۔ طلوعِ اسلام کے وقت مدینہ کے بڑے بت خانہ کا متولی عمرو بن قیس نامی ایک شخص تھا (بعض روایات میں ہے کہ یثرب میں ایک نہیں بلکہ متعدد بت خانے تھے) اوس و خزرج کے نزدیک "مناۃ" قضاو قدر کی دیبی تھی اور ہر قسم کا نفع و نقصان اس کے اختیار میں تھا۔

قبل از اسلام انصار کا عمومی مذہب اگرچہ بت پرستی تھا۔ تاہم ان میں سے کچھ لوگوں نے یہودیت اور عیسائیت کے دامن میں پناہ لی تھی۔ یہودیوں سے تو وہ خاص طور پر متاثر تھے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ اور منظم لوگ تھے اور انہوں نے مدینہ میں کئی علمی مدارس قائم کر رکھے تھے جہاں توریت کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار میں سے اگر کسی شخص کی اولاد زندہ نہ بچتی تھی تو وہ منت مانتا تھا کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنا دوں گا۔

بعض لوگ دینِ حنیفی کے بھی قائل تھے اس کا ذکر آگے آئے گا۔ انصار حج

بیت اللہ اور قربانی کے قائل تھے۔ یثرب سے ہر سال بیسیوں لوگ حج کے لیے مکہ جاتے۔ حج کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے "جبل مشلل" پر جاتے اور وہاں "مناۃ" کے سامنے نماز پڑھتے پھر عازم مکہ ہوتے۔ منیٰ کی گھاٹی کے قریب قیام کرتے۔ صفا اور مروہ کا طواف کرتے اور حج کی دوسری رسوم ادا کرکے پھر جبل مشلل پر جا کر مناۃ کے سامنے سر منڈواتے۔ اور قربانی کرتے۔

حج کے ایام میں ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے۔ اشہرِ حُرُم کی دل سے عزت کرتے تھے۔ ان میں نماز کی بھی ایک بگڑی ہوئی صورت موجود تھی۔ جھاڑ پھونک پر یقین رکھتے تھے۔ اور کئی لوگ سانپ بچھو وغیرہ کے کاٹے کا علاج جھاڑ پھونک کے ذریعہ کرتے تھے۔ ان کی اخلاقی حالت قریشِ مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل کی نسبت قدرے بہتر تھی۔ فواحش کو برا جانتے تھے اور اخلاقی جرائم کا کسی نہ کسی صورت میں محاسبہ کرتے تھے۔



صُبحِ سعادت کا طلوُع

نبیٔ آخر الزماں کا انتظار

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل اگرچہ انصار یکسر جاہل اور بت پرست تھے تاہم وہ یہود کے علمی تفوق سے ضرور متاثر تھے۔ یہود میں بلاشبہ بیسیوں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں اور وہ بعض مشرکانہ افعال میں مبتلا ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود وہ تمدنی اور علمی لحاظ سے بڑے منظم تھے۔ مال و دولت کی ان کے پاس فراوانی تھی اور یثرب سے شام تک بڑے سرسبز اور شاداب مقامات ان کے قبضے میں تھے۔ یثرب کے یہودی اوس و خزرج میں افتراق کے باوجود ان سے ہمسری کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے تھے البتہ ان کی جہالت اور بت پرستی کی وجہ سے انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہودی بہر صورت اہلِ کتاب ہونے کے مدعی تھے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے تھے۔ انہوں نے مدینہ میں ایک "بیت المدارس" قائم کر رکھا تھا۔ جہاں یہودی علماء توراۃ اور اپنی دوسری مذہبی کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے اہلِ مدینہ کو سنایا کرتے تھے۔ یہودیوں کے مذہبی صحیفوں میں ایک اور پیغمبر

(نبیٔ آخرالزماں) کی آمد کی پیشنگوئی واضح طور پر موجود تھی[1] یہودی نہ صرف خود اس پیشین گوئی میں یقین رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس سے اوس و خزرج کے کانوں کو بھی آشنا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہورِ اسلام سے قبل نہ صرف یہود بلکہ انصار بھی ایک پیغمبرِ موعود کے منتظر تھے۔ لیکن فلکِ شعبدہ باز کی نیرنگیوں کو دیکھئے کہ جب وہ پیغمبرِ موعودؐ رونق افروزِ عالم ہوئے تو وہی یہود جو ان کی آمد کی پیشنگوئی کو عام کہنے والے تھے۔ ان کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔ یہ سعادت تو قسامِ ازل نے "بت پرست اور جاہل" اوس و خزرج کے مقدر میں لکھ رکھی تھی ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

قرآن حکیم میں یہودیوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (بقرہ سیپارہ ۱ رکوع ۱۱)

"وہ (رسولِ اکرمؐ کی بعثت سے پہلے) کفار کے مقابلے میں فتح کی تمنا کیا کرتے تھے۔"

یہاں "فتح کی تمنا کرنے" سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک نبی کے آنے کی تمنا اور دعا کر رہے تھے کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں لکھا ہوا تھا کہ جب نبیٔ آخرالزماں مبعوث ہوگا۔ تو اس کی برکت سے (اگر تم نے اس کا ساتھ دیا تو) کفار و مشرکین پر فتح حاصل

---

[1] (۱) خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی (استثنا ۳۳-۲ توراۃ)

(۲) میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں تجھ (موسیٰؑ) سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اس سے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ (استثنا ۱۸-۱۹ توراۃ)

کرو گے۔ چنانچہ وہ انصارِ مدینہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے وہ ہمارا نجات دہندہ ہوگا اور ہم اس کی پیروی کر کے تم پر غالب آئینگے۔ یہود کی انہی باتوں کی وجہ سے انصار میں بھی نبیِؐ آخر الزماں کی آمد کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ لیکن یہود کی تیرہ بختی اور نامرادی دیکھیئے کہ جب وہ پیغمبرِ موعود رحمۃٌ للعالمین بن کر تشریف لائے تو یہود نے ان کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا۔ سورۂ فاطر میں یہود کی اسی بدبختی کی طرف اشارہ ہے :-

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ (رکوع ۵)

جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا (پیغمبر) پہنچا (جس کے وہ خواہشمند اور منتظر تھے) تو وہ الٹے اس سے بدک کھڑے ہوئے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ہے :-

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ (رکوع ۱۱)

جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی جس کو انہوں نے خوب جانا پہچانا بھی تو اس کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یہود کی طرح مدینہ کے عیسائی بھی ایک پیغمبرِ موعود (وہ نبی[۱]) کے منتظر تھے جو یہود

---

[۱] انجیل یوحنا باب اوّل درس ۱۹ تا ۲۸ میں ہے

" یوحنا (یحییٰ) نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیا تو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو "وہ نبی" ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے ان کے مظالم کا بدلہ لینے والا اور عیسائیوں کو تمام اقوام پر غالب کرنے والا ہوگا لیکن پیغمبر موعودؐ کی آمد پر وہ بھی اس کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔

سوید الکامل

انصار کے زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا ایک شخص "سوید بن صامت" مدینہ میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور شجاع آدمی تھا اور نہ صرف فنونِ حرب کا ماہر تھا بلکہ پڑھنا لکھنا بھی جانتا تھا اور ایک فصیح البیان شاعر تھا۔ ان خوبیوں کی بدولت وہ انصار میں "کامل" کے لقب سے مشہور تھا۔ سوید کو کہیں سے "امثالِ لقمان[1]" کا ایک نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ اسے پڑھ کر اس نے بہت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " اس سے مطلب نکلا کہ علمائے یہود اس زمانے میں تین انبیاء کی آمد و ظہور کے منتظر تھے (۱) الیاسؑ (۲) مسیحؑ (۳) "وہ نبی"۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیح بتایا اور مسیحؑ نے یوحنا کو الیاس کہا۔ اب تیسرے کا ظہور باقی تھا جو کتب سابقہ میں "وہ نبی" اور مسلمانوں کی زبان پر "آنحضرت" کے خطاب سے یاد کیے گئے ہیں۔ اگر آنحضرتؐ وہ نبی نہیں تو پادری بتائیں کہ مسیحؑ کے بعد وہ نبی کہلانے والا کون ہوا۔" (رحمۃ للعالمین جلد اوّل)

[1] حضرت لقمان عرب میں ایک حکیم و دانا کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ پیغمبر تھے لیکن جمہور مسلمین کے نزدیک وہ خدا کے ایک نیک اور برگزیدہ بندے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن (جلد اوّل) میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لقمان یمن کے بادشاہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امرارِ حکمت سیکھے اور توحید سے آشنا ہو گیا۔ سوید اس نسخے کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کی شریعت کے متبع تھے۔ وہ قوم عاد کے ان اہلِ ایمان کی نسل سے تھے جو اس قوم پر عذابِ الٰہی آنے کے بعد حضرت ہودؑ کے ساتھ بچ رہے تھے لیکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ بعض اکابر صحابہؓ و تابعینؒ (حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور خالد الربعیؒ) کی روایت کے مطابق لقمان ایک سیاہ فام غلام تھے اور ان کا وطن حبش یا مصر یا نوبہ (سوڈان) تھا۔ علامہ سہیلی صاحب روض الانف اور علامہ مسعودی صاحب مروج الذہب کا بیان ہے کہ لقمان اصلاً تو نوبی تھے لیکن مدین اور ایلہ (موجودہ عقبہ) کے علاقے کے باشندے تھے۔ ان کی زبان عربی تھی اسی لیے ان کی حکمت عرب میں شائع ہوئی۔ مزید برآں سہیلیؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ لقمان حکیم اور لقمان بن عاد (شاہ یمن) دو الگ الگ اشخاص ہیں اور ان کو ایک شخصیت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم تفسیر سورۂ لقمان)

قرآن حکیم میں حضرت لقمان کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ (بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی) گو حضرت لقمان اہلِ عرب میں نزول قرآن سے پہلے بھی مشہور تھے لیکن قرآنِ علیم کی سورۂ لقمان نے انہیں حیاتِ جاوید بخش دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت لقمانؑ، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ وہ بچپن ہی سے سوچ بچار کے عادی اور نہایت ذہین تھے ان کی یہ صفات دیکھ کر ان کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی زندگی تحصیلِ علم کے لیے وقف کر دی اور قرآنِ کریم کی شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے بہرہ ور کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چار ہزار نصائح کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس میں مندرج ہدایات پر عمل کرنے کو باعثِ سعادت و نجات جانتا تھا۔ سوید کی شخصیت اور عقائد کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی حتیٰ کہ اہلِ مکہ میں بھی وہ ایک جانی پہچانی شخصیت بن گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ حج کے لیے مکہ گیا۔ اس وقت ہادیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے۔ آپ نے سوید کی آمد کا حال سنا تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے دعوتِ حق دی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ یہی مجموعہ "صحیفۂ لقمان" یا "امثالِ لقمان" کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت لقمانؑ سے منسوب سبق آموز حکایتوں کا ایک مجموعہ مدت ہوئی پیرس سے شائع ہوا تھا لیکن اس کے بیشتر مندرجات غیر مستند ہیں۔ قرآنِ حکیم کے مطابق حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اے میرے فرزند! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اگر ماں باپ بھی تجھے شرک کی ترغیب دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔

(۲) اے میرے بیٹے نماز پابندی سے پڑھا کر۔

(۳) نیکی کی تلقین کر اور بدی سے لوگوں کو بچا۔ (۴) مصیبت آئے تو اس پر صبر کر۔

(۵) غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اترا کر چل۔ بیشک اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (۶) اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔

(۷) اپنی آواز دھیمی رکھ کہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت لقمانؑ نے بڑی طویل عمر پائی۔ آخری عمر میں وہ رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک مقام پر گوشہ نشین ہو گئے تھے یہیں انہوں نے وفات پائی۔

سوید نے کہا۔ "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے۔" حضورؐ نے پوچھا۔ "تمہارے پاس کیا ہے؟"

سوید نے جواب دیا۔ "صحیفۂ لقمان"

حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے پڑھ کر سناؤ۔" سوید نے اس کا کچھ حصہ سنایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔ سوید ان سے بڑا متاثر ہوا اور اسلام سے بہت قریب ہو گیا۔ جب وہ مدینہ واپس گیا تو وقتاً فوقتاً اہلِ مدینہ کے سامنے اسلام کا چرچا کرنے لگا۔ اس کے میلانِ خاطر کا انصار پر کافی اثر پڑا۔ بدقسمتی سے تھوڑے ہی عرصہ بعد (جنگِ بعاث سے قبل) وہ خزرج کے ایک نوجوانؓ[1] کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سوید جنگِ بعاث میں مقتول ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو شاید اسلام کا قوی دست و بازو ثابت ہوتا۔

---

[1] سوید بن صامت کے قاتل کا نام مجذرؓ بن زیاد انصاری ہے۔ وہ خزرج کے قبیلہ بلی سے تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ حالتِ اسلام میں مکہ کا نیک دل رئیس ابوالبختری بھی اتفاقیہ ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اس کے مارنے کی ممانعت فرمائی تھی کیونکہ بنی ہاشم سے مقاطعہ کا معاہدہ درِ کعبہ سے اتروانے میں اس نے بڑا کام کیا تھا۔ مجذرؓ نے رسولِ کریمؐ کو قسم کھا کر بتایا کہ ابوالبختری اپنے ایک ساتھی کو بچانے کے لیے خود مجھ سے لڑا ورنہ میں اسے ہرگز نہیں مارنا چاہتا تھا۔

حضرت مجذرؓ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور اتفاق دیکھئے کہ وہ ایک نام نہاد مسلمان کی تیغِ ستم کا شکار ہو گئے۔ یہ شخص سوید بن صامت کا بیٹا حارث تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے انھیں شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے بعد رسولِ اکرمؐ نے اسے حضرت مجذرؓ کے قصاص میں قتل کرا دیا۔

ایک روایت کے مطابق سوید مسلمان مرا۔ سوید حالتِ اسلام میں مرا یا نہیں بہرحال اس کے ذریعہ انصار کے کانوں میں اسلام کی بھنک ضرور پڑ گئی۔

ارضِ یثرب کا پہلا مسلمان

" ایام الانصار " میں اوس نے معبس اور مضرس کی جنگوں میں خزرج سے پے در پے شکستیں کھائیں تو وہ گھبرا گئے اور ایک وفد مرتب کر کے خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنانے کے لیے مکہ پہنچے۔ اس وفد میں ایک سعید الفطرت شخص ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ تبلیغ حق کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے ان کے سامنے قرآنِ حکیم کی چند آیات پڑھیں تو ایاس کا دل پگھل گیا اور وہ بے اختیار پکار اٹھے :۔

" میرے بھائیو! جس کام کے لیے ہم یہاں آئے ہیں یہ کام (یعنی قبولِ اسلام) اس سے یقیناً بہتر ہے۔"

وفد کا امیر ایاس کی بات پر بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہنے لگا " تیرا بُرا ہو ہم اس کام کے لیے یہاں نہیں آئے۔" ایاس اس وقت خاموش ہو گئے لیکن مدینہ پہنچ کر وہ اعلانیہ رب واحد کی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرنے لگے اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے لگے۔ ان کا قبیلہ سمجھ گیا کہ ایاس مسلمان ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ سعید الفطرت ایاس نے ہجرتِ نبوی سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ رحلت کے وقت ان کی زبان پر تحمید و تکبیر جاری تھی۔

ایاس خود تو خالقِ حقیقی کے پاس جا پہنچے لیکن اپنی پاک باطنی اور اسلام کا گہرا اثر انصار پر چھوڑ گئے۔

چھ سعید روحیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ایامِ حج میں زائرینِ حرم کے پاس جا کر انھیں دعوتِ توحید دیتے تھے اور وقتاً فوقتاً مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کے سامنے دینِ حق پیش کرتے تھے قبائل کے بدنصیب رؤسا بڑے روکھے سوکھے جواب دیتے تھے۔ زائرینِ حرم پر بھی دعوتِ حق کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا۔ لیکن ۱۱ سنہ نبوت کے موسمِ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب صورت پیدا کی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرتے کرتے منیٰ میں چند ایسے خیموں کے پاس پہنچ گئے جہاں یثرب سے آئے ہوئے چند سعید الفطرت لوگ قیام پذیر تھے۔ یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے۔ یہ لوگ یہود کے قرب اور سوید الکامل اور ایاس بن معاذ کی تعلیمات کی بدولت نبی آخر الزماںؐ اور اسلام کے نام سے کلیتہً ناآشنا نہیں تھے۔ حضورؐ نے جب ان کے پاس پہنچ کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت پاکی اور بڑائی بیان کرنی شروع کی تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد جب ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پگھل گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہود کی زبان پر رہتا ہے۔ دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبولِ حق میں سبقت نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔

ان چھ نفوسِ قدسی کے نام یہ ہیں :۔

(۱) حضرت اسعدؓ بن زرارہ

(۲) " عقبہؓ بن عامر بن نابی

(۳) " عوفؓ بن حارث بن عفرا

(۴) " رافعؓ بن مالک بن عجلان

(۵) " قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ

(۶) " جابرؓ بن عبداللہ

چراغ سے چراغ جلنے لگا

خزرج کی چھ مقدس ہستیوں کا قبولِ اسلام گویا انصار میں صبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ اللہ کے یہ مقدس بندے جب دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر مدینہ منورہ واپس گئے تو انہوں نے وہاں نہایت تندہی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ان بزرگوں کی تبلیغی مساعی سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور کچھ اور لوگوں نے کھلم کھلا اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اگلے سال (۱۲ھ نبوت کے موسمِ حج میں) مدینہ منورہ سے بارہ مسلمان سرورِ کونینؐ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچے۔ ان میں دس قبیلہ خزرج اور دو قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں :۔

خزرجی

(۱) اسعدؓ بن زرارہ (۲) عوفؓ بن حارث

(۳) رافعؓ [illegible] بن عامر

(۵) عقبہؓ بن عامر (یہ پانچوں حضرات سالِ گزشتہ بھی رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔)

(۶) معاذؓ بن حارثؓ (۷) ذکوانؓ بن عبدقیس

(۸) عبادہؓ بن صامت (۹) ابوعبدالرحمٰن یزیدؓ بن ثعلبہ

(۱۰) عباسؓ بن عبادہ

اوسی

(۱۱) ابوالہیثمؓ بن تیہان (۱۲) عویمؓ بن ساعدہ

بیعت عقبۂ اُولیٰ

اس مقدس قافلے کے آنے کا حال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ رات کو منیٰ میں (عقبہ کی گھاٹی میں جہاں اب ایک مسجد بنا دی گئی ہے) تشریف لے گئے۔ یثربی مسلمان وہاں ہی قیام پذیر تھے۔ انہوں نے بڑھ کر حضورؐ کے قدم لیے اور ان چھ باتوں پر آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

۱۔ ہم شرک نہ کریں گے

۲۔ ہم چوری نہ کریں گے

۳۔ ہم زنا نہ کریں گے

۴۔ ہم کسی کی چغلی نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے۔

۵) ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔

۶۔ ہم رسولِ کریمؐ کی تمام اچھی باتوں میں اطاعت کریں گے۔

بیعت لینے کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے اپنے عہد کو پورا کیا تو جنت کے حقدار

بن جاؤ گے اگر نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ تمہیں عذاب دے یا معاف کر دے۔

واپسی کے وقت ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ انھیں قرآن پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کے لیے ایک معلم عطا کریں۔ حضورؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو یہ خدمت تفویض کی اور ان کو اس مقدس قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

مدینہ میں حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی

مدینہ پہنچ کر حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت اسعدؓ بن زرارہ[1] کے ہاں فروکش ہوئے اور نہایت تندہی سے تبلیغِ حق میں مصروف ہو گئے انہوں نے اپنے پاکیزہ کردار سے بیسیوں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر دی اور مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیلنے لگا۔ لیکن ابھی تک اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے سردار اسلام سے نا آشنا تھے۔ اس لیے اشاعتِ اسلام کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رکاوٹ کے دور کرنے کی بھی صورت پیدا کر دی۔ ایک دن حضرت مصعبؓ بن عمیر نے عبداللہ[2] کے ایک

---

[1] حضرت اسعدؓ بن زرارہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے۔ انصاری سابقینِ اسلام میں وہ نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہجرت کے بعد سرورِ کائنات حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام پذیر ہوئے اور آپؐ کی اونٹنی کو حضرت اسعدؓ اپنے گھر لے گئے۔ حضورؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے چند ہی ماہ بعد حضرت اسعدؓ نے حلق کے شدید درد کی وجہ سے وفات پائی۔ حضورؐ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپؐ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا۔ بقیع میں دفن ہونے والے یہ سب سے پہلے مسلمان تھے اور مدینہ میں یہ پہلی نمازِ جنازہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

[2] [illegible]

باغ میں گئے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کو تعلیم دینے لگے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی نے جا کر اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ[1] کو اطلاع دی کہ مسلمان تمہارے محلہ میں آکر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ سعد یہ خبر سن کر بڑے غضبناک ہوئے لیکن اسعد بن زرارہ کا (جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے) پاسِ خاطر کرتے ہوئے خود وہاں جانے میں متامل ہوئے اور اپنے ابنِ عم اُسیدؓ بن حضیر[2] سے کہا کہ تم چل کر ان مسلمانوں کو منع کر دو کہ وہ آئندہ ہمارے

---

[1] سیدالاوس حضرت سعدؓ بن معاذ بڑے رتبہ کے صحابی ہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کی بدولت مسلمان ہوئے اور پھر ان کو اپنے مکان میں لے آئے۔ غزواتِ بدر و احد میں نہایت جوش سے شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان ثابت قدم اصحاب میں تھے جو آخر تک میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے۔ جنگِ خندق میں شدید زخمی ہوئے اور اسی زخم کی وجہ سے چند دن بعد وفات پائی۔ حضورؐ کو سخت رنج ہوا اور ان کی نعش کو اپنی گود میں لے لیا۔ دفن کے بعد حضورؐ واپس ہوئے تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ سعدؓ کی موت سے عرشِ الٰہی ہل گیا ۔۔۔ اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے ۔۔۔ انصار میں سعدؓ بن معاذ تنہا وہ صحابی ہیں جن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ایک پورا قبیلہ ایک دن کے اندر مسلمان ہو گیا۔ اپنی دینی خدمات کی بدولت وہ انصار کے "صدیق اکبر" سمجھے جاتے تھے۔

[2] اُسیدؓ بن حضیر حضرت سعدؓ بن معاذ کے ابنِ عم تھے اور ان کے بعد دوسرے نمبر پر اوس کے رئیس تھے۔ بیعتِ عقبہ ثانی میں شریک تھے۔ جنگِ احد میں نہایت ثابت قدمی سے دادِ شجاعت دی۔ غزوۂ خندق میں نہایت بے جگری سے خندق کی حفاظت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر رسولِ اکرمؐ شہر میں اس طرح داخل ہوئے کہ ایک طرف صدیقِ اکبرؓ اور دوسری طرف اسیدؓ بن حضیر تھے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آدمیوں کو گمراہ کرنے اوس کے محلوں میں نہ آئیں۔

اسیدؓ بڑے شجاع آدمی تھے انہوں نے جوشِ غضب میں اپنا نیزہ اٹھایا اور اکیلے ہی بنو عبدالاشہل کے باغ کی طرف لپکے۔ حضرت اسعدؓ نے انھیں اس حالت میں آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ قبیلہ اوس کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہیں اگر یہ دینِ حق قبول کرلیں تو ہمیں بڑی تقویت پہنچے گی۔"

اُسید قریب آتے ہی خشم آلود لہجے میں تیز تیز گفتگو کرنے لگے اور حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"تم ہمارے آدمیوں میں گمراہی پھیلا رہے ہو اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی ہمارے محلوں کا رُخ نہ کرنا۔"

حضرت مصعبؓ نے ان کی غضب آلود گفتگو نہایت تحمل سے سنی اور پھر نہایت نرمی سے فرمایا۔ "عزیز بھائی آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام سے میری باتیں سنیں اگر پسند آئیں تو قبول کریں ورنہ رد کردیں۔"

حضرت مصعبؓ کی حلم آمیز گفتگو نے اسید کے غیظ و غضب پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا اور وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔ "اچھا کہو کیا کہتے ہو۔"

حضرت مصعبؓ نے نہایت دلنشیں انداز میں اسلام کے اصول بیان کیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ جنگِ حنین میں اسیدؓ اوس کے علمبردار تھے فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں فتح بیت المقدس کے وقت اسیدؓ امیرالمومنین کے ساتھ مدینہ سے شام گئے۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔ فاروقِ اعظمؓ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اور پھر قرآنِ کریم کی چند آیات پڑھیں۔ اسید بے اختیار پکار اٹھے۔

"واہ یہ کیسا اچھا دین ہے اور یہ کیسا اعلیٰ کلام ہے۔ للّٰہ مجھے اپنے دین میں داخل کر لو۔"

حضرت مصعبؓ نے انھیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کی تلقین کی پھر ان سے کلمۂ شہادت پڑھوا کر حلقۂ اسلام میں داخل کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اسیدؓ بولے:۔

"ایک شخص اور ہے اگر وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا تو سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر سیدھے سعد بن معاذ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ "وہاں تو کوئی اور ہی بات درپیش ہے۔ آپ کا بذاتِ خود وہاں جانا ضروری ہے۔" سعدؓ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا اور وہ بھی اپنا نیزہ اٹھا کر مسلمانوں کے پاس پہنچے اور انھیں ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ اسعدؓ بن زرارہ نے کہا۔ "بھائی ذرا بیٹھ کر سنو تو یہ صاحب کہتے کیا ہیں۔ اگر ان کی باتیں تم پسند کرو تو بہتر ورنہ تمہیں اختیار ہے۔"

سعد ان کے کہنے سے بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے بھی محاسنِ اسلام پیش کیے اور پھر قرآنِ کریم سنایا۔ سعدؓ بن معاذ کا قلبِ صافی آناً فاناً نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا اور وہ بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچ تو سارے بنو عبدالاشہل کو جمع کر کے کہنے لگے:۔

"تمہارے نزدیک میں کیسا ہوں۔"

جواب ملا: "آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب سے عاقل اور معاملہ فہم ہیں۔"

سعدؓ بولے "[illegible] حق قبول کر لیا ہے اور جب تک

تم بھی خدائے واحد اور اس کے برگزیدہ رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔ مجھے تم سے گفتگو کرنا حرام ہے۔"

حضرت سعدؓ بن معاذ کا اعلان سن کر بنو عبدالاشہل کے بیشتر افراد اسی وقت نعمتِ اسلام سے سعادت اندوز ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ بھی چند ایک کے سوا شام ہوتے ہوتے مسلمان ہو گئے اور مدینہ کے در و دیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر کے قبولِ اسلام کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلنے لگا۔

قبیلۂ خزرج کے متعدد افراد پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے ان کے سردار سعدؓ بن عبادہ[1] کے قبولِ اسلام نے اور لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی انہی مقدس ہستیوں میں شامل ہیں جنہوں نے حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی کی بدولت اس زمانہ میں اسلام قبول کیا۔

---

[1] سید الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ بڑے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ ایامِ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فنونِ حرب میں مہارت رکھتے تھے اس لیے "کامل" کے لقب سے مشہور تھے۔ عقبۂ ثانی میں رسولِ اکرمؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بڑے دولتمند اور سخی تھے۔ جنگِ بدر سے پہلے ایک کتے نے کاٹ کھایا اس لیے لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ تاہم حضورؐ نے مالِ غنیمت میں ان کا پورا حصہ لگایا۔ غزواتِ احد، مصطلق، احزاب، حدیبیہ اور خیبر میں نہایت ثابت قدمی سے لڑے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔ غزوۂ حنین میں خزرج کے علمبردار تھے۔ رسولِ اکرمؐ کے وصال کے بعد انصار انہی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ صدیقِ اکبرؓ کے انتخاب کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو سعدؓ ترکِ وطن کر کے دمشق کے قریب حوران کے علاقے میں جا بسے۔ ۱۵ھ میں کسی نامعلوم شقی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ قاتل نے آپ کی لاش غسل خانے میں ڈال دی تھی۔ ان کی بے مثال فیاضی کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

مقدّس پیمانِ وفا

شمعِ توحید کے پچھتّر پروانے

۱۳ نبوت کے موسمِ حج میں مدینہ سے پانچ سو آدمیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکّہ روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں اوس و خزرج کے پچھتر ایسے نفوسِ قدسی بھی شامل ہو گئے جو نورِ ایمان سے سعادت اندوز ہو چکے تھے اور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق تھے۔ ان میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تھیں ان سب کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قبیلۂ اوس

۱۔ حضرت اُسیدؓ بن حضیر
۲۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ بدری
۳۔ حضرت عویمؓ بن ساعدہ
۴۔ حضرت سلمہؓ بن سلامہ بن وقش بدری
۵۔ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان بدری
۶۔ حضرت عبداللہؓ بن جُبیر بدری
۷۔ حضرت ابوبردہ ہانیؓ بن دینار بدری
۸۔ حضرت معنؓ بن عدی بدری
۹۔ حضرت ظہیرؓ بن رافع بن عدی
۱۰۔ حضرت نہیرؓ بن الہیثم
۱۱۔ حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر بدری

قبیلہ خزرج

۱۔ حضرت ابوایوب خالدؓ بن زید بدری
۲۔ حضرت معاذؓ بن حارث بدری
۳۔ حضرت عوفؓ بن حارث بدری
۴۔ حضرت عمارہؓ بن حزم بدری
۵۔ حضرت سعدؓ بن ربیع بدری
۶۔ حضرت فروہؓ بن عمرو بدری
۷۔ حضرت خلادؓ بن سوید بدری
۸۔ حضرت زیادؓ بن لبید بدری
۹۔ حضرت خارجہؓ بن زید بدری
۱۰۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بدری
۱۱۔ حضرت اوسؓ بن ثابت بدری
۱۲۔ حضرت ابوطلحہ زیدؓ بن سہل بدری
۱۳۔ حضرت قیسؓ بن ابی صعصعہ بدری
۱۴۔ حضرت براءؓ بن معرور
۱۵۔ حضرت سہیلؓ بن عتیک
۱۶۔ حضرت عبداللہؓ بن زید بدری
۱۷۔ حضرت بشیرؓ بن سعد بدری
۱۸۔ حضرت منذرؓ بن عمرو بدری
۱۹۔ حضرت عقبہؓ بن وہب بدری
۲۰۔ حضرت ابوالولید رفاعہ بن عمرو بن زید بدری
۲۱۔ حضرت عبادہؓ بن صامت بدری
۲۲۔ حضرت معاذؓ بن جبل بدری
۲۳۔ حضرت ثابتؓ بن جذع بدری
۲۴۔ حضرت عمیرؓ بن حرث بدری
۲۵۔ حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح بدری
۲۶۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بدری
۲۷۔ حضرت عمروؓ بن غنمہ بدری
۲۸۔ حضرت ابوالیسر کعبؓ بن عمرو بدری
۲۹۔ حضرت ثعلبہؓ بن غنمہ بدری
۳۰۔ حضرت قطبہؓ بن عامر بدری
۳۱۔ حضرت سلیمؓ بن عمرو بدری
۳۲۔ حضرت جبارؓ بن صخر بدری
۳۳۔ حضرت طفیلؓ بن مالک بدری
۳۴۔ حضرت ضحاکؓ بن حارثہ بدری
۳۵۔ حضرت یزیدؓ بن منذر بدری
۳۶۔ حضرت معقلؓ بن منذر بدری

۳۷۔ حضرت طفیلؓ بن نعمان بدری
۳۸۔ حضرت سنانؓ بن صیفی بدری
۳۹۔ حضرت بشیرؓ بن برا بدری
۴۰۔ حضرت حرثؓ بن قیس بدری
۴۱۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ
۴۲۔ حضرت عبادؓ بن قیس بدری
۴۳۔ حضرت خالدؓ بن قیس بدری
۴۴۔ حضرت ذکوانؓ بن عبدقیس بدری
۴۵۔ حضرت عمروؓ بن حارث
۴۶۔ حضرت ابوعبدالرحمٰنؓ بن یزید بن ثعلبہ
۴۷۔ حضرت عباسؓ بن عبادہ
۴۸۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن عمرو
۴۹۔ حضرت خالدؓ بن عمرو
۵۰۔ حضرت عبداللہؓ بن انیس
۵۱۔ حضرت نفاعہؓ بن حارث بن سواد
۵۲۔ حضرت عمروؓ بن غزیہ
۵۳۔ حضرت ابوامامہؓ اسعد بن زرارہ
۵۴۔ حضرت ابومسعود عقبہؓ بن عمرو
۵۵۔ حضرت رافعؓ بن مالک
۵۶۔ حضرت مسعودؓ بن یزید
۵۷۔ حضرت یزیدؓ بن خزام
۵۸۔ حضرت کعبؓ بن مالک
۵۹۔ حضرت صیفیؓ بن سواد
۶۰۔ حضرت اوسؓ بن عباد بن عدی
۶۱۔ حضرت یزیدؓ بن عامر بدری
۶۲۔ حضرت خدیجؓ بن سلامہ
۶۳۔ حضرت امِ منیع اسماء بنت عمروؓ (بنو سلمہ)
۶۴۔ حضرت امِ عمارہ نسیبہؓ بنت کعب (بنو نجار)

ان پچھتر مبارک ہستیوں کے علاوہ مدینہ میں اور بھی بہت سے اہلِ ایمان موجود تھے لیکن وہ کسی وجہ سے اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ انہوں نے قافلہ میں شریک مسلمانوں کو پیغام دیا کہ نبی آخر الزماںؐ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے الگ قافلہ بنانے میں بہت سے خطرات پوشیدہ تھے اس لیے یہ پچھتر حق پرست اہلِ مدینہ کے اس بڑے قافلے میں ہی

شامل ہو گئے۔ جس میں اکثریت بت پرستوں کی تھی۔

ان پچھتر نفوسِ قدسی کا مکہ آنا تاریخ اسلام میں بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے جو شجاعانہ اور بے باکانہ اقدام کیا۔ اس نے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی اور تاریخ کا رُخ پھیر دیا۔

خدمتِ نبویؐ میں حاضری

حج سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ کائناتؐ نے ایک رات مقرر کی اور انصارِ مدینہ کا مقدس گروہ رات کی تاریکی میں عقبہ کی گھاٹی میں ایک درخت کے نیچے جمع ہوا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ حضرت عباسؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن قرابت داری اور خاندانی عصبیت کی وجہ سے وہ رسولِ کریمؐ کے دلی خیر خواہ تھے۔ اس سے پیشتر انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ سے متعدد نو مسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دینے آئے ہیں۔

حضرت عباسؓ نے ان پچھتر نفوسِ قدسی سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"اے برادرانِ یثرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں۔ قریش ان کے جانی دشمن ہیں تاہم ہم نے ہمیشہ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ہے ــــ اور آئندہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق کریں گے اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو اور مرتے دم تک محمدؐ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کوئی بات کرنا۔ خوب سمجھ لو کہ محمدؐ سے کوئی عہد و پیمان کرنا

گویا ہولناک مصائب اور خونریز جنگوں کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے سب کچھ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ورنہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر مدینہ کے رئیس خزرج حضرت براء بن معرورؓ جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور کہا۔

"اے عباسؓ ہم نے تیری بات سنی تو ہماری بھی یاد رکھ کہ ہم نامرد نہیں ہیں ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

دوسرے انصار نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔"یارسول اللہ آپ بھی کچھ فرمایئے۔"

حضورؐ نے قرآن حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی اور اہل یثرب کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی اور پھر فرمایا۔"میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم اپنی جانوں اور اہل و عیال کی مانند میری حفاظت کرو گے اور دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے۔"

حضرت براء بن معرورؓ نے آپکا دست مبارک پکڑ لیا اور کہا

"یارسول اللہ خدائے برتر کی قسم ہم اپنی جانوں اور ماؤں کے ساتھ آپکی حفاظت کریں گے۔"

ابوالہیثمؓ بن التیہان نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"یارسول اللہ اس وقت ہمارے اور یہود کے مابین معاملات ہیں جو بیعت کے بعد فسخ ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار اور قوت پا کر ہمیں چھوڑ دیں۔"

حضورؐ متبسم ہوئے اور فرمایا:۔

بل الدم الدم، والهدم الهدم، انا منكم وانتم منی،

حارب من حاربتم وسالم من سالمتم

"بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔"

گویا مختصراً حضورؐ نے یہ واضح کیا کہ میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔

حضورؐ کے ارشادات سن کر یہ سب نفوسِ قدسی بیعت کے لئے لپکے سب سے پہلے حضرت براؓ بن معرور نے بیعت کی ان کے بعد جماعت کے دوسرے لوگ بیعت کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عباس بن عبادہؓ انصاری نے پکار کر کہا:۔

"صاحبو! خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ بیعت عرب و عجم کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ خوب جان لو کہ ایسا وقت آسکتا ہے کہ ہمارے شرفا قتل ہوں۔ ہمارا مال برباد ہو جائے۔ ہماری عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے۔ اس وقت ایسا نہ ہو کہ مشکلات و مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم محمد رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دو۔"

سب انصار نے بیک آواز کہا۔ "ہاں ہاں ہم سب خطرات کو دیکھ کر بیعت کر رہے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت اسعدؓ بن زرارہ سامنے آئے اور کہا "اے محمدؐ آپ اپنے رب کے لیے جو چاہیں مانگیں، پھر اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے پھر بتائیں ہم کو خدا سے اور آپ سے اس کا کیا اجر ملے گا؟"

حضورؐ نے فرمایا۔ "تم سے خدا کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو پناہ دو۔ مدد کرو اور جس طرح اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو۔"

سوال ہوا - "یارسول اللہ اگر ہم یہ سب کام کریں تو اس کا صلہ ہمیں کیا ملے گا۔"

حضورؐ نے فرمایا - "جنت"

حضورؐ کا جواب سن کر انصار کے قلوب ایمان و یقین کے نور سے منور ہو گئے اور وہ بولے۔ "تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم اس کے لیے راضی ہیں۔" اس کے بعد سب یکے بعد دیگرے حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہو گئے۔

اس بیعت کو تاریخ میں بیعتِ لیلۃ العقبہ، بیعت عقبہ ثانیہ، بیعت عقبۂ کبیرہ مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ واقعی یہ عرب و عجم اور جن وانس سے جنگ کرنے کی بیعت تھی۔ اس وقت سرزمین عرب کا ذرہ ذرہ علمبردارانِ حق کے خون کا پیاسا تھا۔ عرب کے کسی قبیلے کو جرأت نہ تھی کہ وہ فدائیانِ سلام کی حمایت کا اعلان کرے۔ اس وقت ارضِ یثرب کے یہ مقدس انسان اٹھے اور انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جانوں اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا۔ جب عرب کا گوشہ گوشہ شمع رسالت کو پناہ دینے سے انکاری تھا اس وقت مدینہ کے ان جلیل القدر فرزندوں نے بصد عجز و نیاز سرورِ کائنات فخرِ موجودات سے استدعا کی کہ وہ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے ارضِ یثرب کو مشرف فرمائیں۔ اپنے آقاؐ سے جو پیمان انہوں نے اس مقدس رات کو باندھا اسے انہوں نے واقعی اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ نباہا۔ اور کائنات کی مقدس ترین ہستیؐ نے بھی عالمِ فانی سے روپوش ہونے تک اہلِ یثرب کا ساتھ نہ چھوڑا تاریک ترین ایام میں بھی اور غلبہ و نصرت کے وقت بھی

مبارک یقیں وہ ہستیاں جنہوں نے یہ مقدس پیمان وفا باندھا۔

انصار کے بارہ۱۲ نقیب

بیعت کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ سے فرمایا۔ "موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب منتخب کیے تھے۔ تم بھی دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب منتخب کرلو"۔ چنانچہ مومنینِ مدینہ نے بارہ نقیب باتفاق رائے سے منتخب کر لیے۔ ان میں سے نو قبیلہ خزرج اور تین قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

قبیلۂ خزرج

۱۔ حضرت ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ

۲۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

۳۔ حضرت براءؓ بن معرور

۴۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ

۵۔ حضرت رافعؓ بن مالک بن عجلان

۶۔ حضرت عبادہؓ بن صامت

۷۔ حضرت سعدؓ بن ربیع

۸۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

۹۔ حضرت منذرؓ بن عمرو

قبیلۂ اوس

۱۰۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر

۱۱۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ

۱۲۔ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان

یہ سب حضرات رئیس القبائل تھے اور اپنے اثر و رسوخ اور خدا و رسولؐ سے والہانہ شیفتگی کی وجہ سے اسلام کے قوی دست و بازو ثابت ہوئے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ، سعدؓ بن عبادہ اور اسیدؓ بن حضیر کے مختصر حالات پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔ باقی حضرات کے اجمالی حالات نیچے درج کیے جاتے ہیں ان سے ان کی عظمتِ کردار اور جذبۂ ایثار کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جا سکے گی۔

○ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ دربارِ رسالت کے تین شاعروں میں سے ایک تھے (دوسرے دو حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالک تھے) بیعت عقبۂ ثانی کے بعد بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ تمام غزواتِ نبوی اور بیعت الرضوان میں شریک تھے۔ غزوہ موتہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے فضل و کمال، جوشِ ایمان، شوقِ جہاد اور جذبۂ ایثار سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

○ حضرت براءؓ بن معرور

ابو بشر براءؓ بن معرور بیعت عقبۂ کبیرہ کے بعد بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے۔ نہایت سلیم الفطرت تھے۔ کعبۃ اللہ کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے ہی اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ہجرتِ نبوی سے ایک مہینہ قبل داعئ اجل کو لبیک کہا۔ ہجرت کے بعد حضورؐ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔

○ حضرت رافعؓ بن مالک

انصارِ مدینہ میں ان کا درجہ نہایت بلند ہے۔ خزرج کی ان چھ مقدس ہستیوں میں

شامل تھے جو سب سے پہلے رسولِ اکرمؐ کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ اس کے بعد بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعتِ عقبۂ ثانی میں شامل ہوئے۔ آپ کو بنو زریق کا نقیب بنایا گیا۔ جنگِ احد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔

o حضرت عبادہؓ بن صامت

ابوالولید عبادہؓ بن صامت انصار کے سابقون اولون میں سے ہیں۔ بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانی میں شامل تھے۔ مؤخر الذکر بیعت کے بعد بنو قوافل کے نقیب منتخب ہوئے۔ غزوۂ بدر میں نہایت پامردی سے لڑے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان افواج شام پر حملہ آور ہوئیں تو حضرت عبادہؓ بن صامت بھی ان میں شریک تھے۔ عہدِ فاروقی میں جہادِ مصر میں نمایاں حصہ لیا۔ قرآنِ کریم کے حافظ تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے قرآن کی قرأت اور کتابت سیکھی۔ اشاعتِ حدیث میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ کتب احادیث میں ان سے ۱۸۱ حدیثیں مروی ہیں۔ علمِ فقہ میں کمال حاصل تھا۔ نہایت حق گو اور شجاع تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ارضِ شام میں وفات پائی۔

o حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

ابوجابر عبداللہ قبیلہ سلمہ (خزرج) کے رئیس تھے۔ بیعت عقبۂ ثانی میں حضرت براءؓ بن معرور کے ساتھ ان کو بھی بنو سلمہ کا نقیب بنایا گیا۔ جنگِ بدر میں والہانہ جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد جنگِ احد میں نہایت ذوق وشوق سے شریک ہوئے اور سب سے پہلے جامِ شہادت پیا۔ جنگ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ عبداللہ کے جنازے پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ شہادت کے چھ ماہ بعد ان کی لاش ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی گئی تو جسم صحیح سالم تھا۔ اس کے ۴۶ برس بعد سیلاب سے ان کی قبر کھل گئی تو جسم کی حالت بدستور تھی۔ ان کے صاحبزادے حضرت جابرؓ کا شمار بھی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت سعدؓ بن ربیع

بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ بیعت عقبۂ اولیٰ اور ثانی دونوں میں شرکت کی۔ عقبۂ ثانی کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے ساتھ بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ نہایت غنی اور مخلص تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صحابہ میں مواخاۃ قائم کی تو سعدؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائی بنائے گئے۔ اس موقع پر سعدؓ نے خلوص اور ایثار کا عدیم المثال مظاہرہ کیا۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ اپنے نصف مال و اسباب کے علاوہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن کو پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو ان کی ایک بیوی سے نکاح کر سکتے ہیں جسے وہ طلاق دے دیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان کی پیشکش قبول نہ کی تاہم ان کو بہت بہت دعائیں دیں۔ حضرت سعدؓ کو رسولِ اکرمؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ جنگِ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن جنگِ احد میں بڑی جانبازی سے لڑے اور زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے۔ جنگ کے بعد سرورِ کائناتؐ نے فرمایا:

"کوئی ہے جو سعد بن ربیعؓ کی خبر لائے!"

حضرت اُبیؓ بن کعب نے فرمایا: "یا رسول اللہ میں جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں گئے ــــ لاشوں کے درمیان پھر کر سعدؓ بن ربیع کو پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے آواز بلند پکارا۔

"سعد اگر زندہ ہو تو جواب دو مجھے رسول اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"
اس وقت حضرت سعدؓ بن ربیع کا دمِ واپسیں تھا۔ رسول اللہ کا نام سنا تو اپنے اندر ایک توانائی سی محسوس کی۔ روح و جسم کی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا:-

"میں مُردوں میں ہوں۔ رسولِ کریمؐ کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا اور میرے انصار بھائیوں سے کہنا کہ اگر خدانخواستہ آج کفّار نے شمعِ رسالتؐ کو بجھا دیا اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچا تو خدا کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے۔ بیعتِ عقبہ میں تم نے رسول اللہ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔"

یہ کہا اور ہچکی لے کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔
حضرت ابیؓ بن کعب نے عاشقِ رسولؐ سعدؓ کا پیغام حضورؐ تک پہنچایا تو آپ نے فرمایا:-

"خداوند کریم سعد پر رحم کرے۔ زندگی اور موت دونوں میں خدا اور خدا کے رسول کے بہی خواہ رہے۔"

ایک صحابی سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملنے گئے تو وہ ایک ننھی سی بچی کو اپنے سینے پر بٹھائے ہوئے تھے اور نہایت محبت سے اسے بار بار چومتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا یہ لڑکی کون ہے۔ فرمایا یہ سعدؓ بن ربیع کی لڑکی [1] ہے۔ اُسے (سعد کو) اللہ نے بہت بلند درجہ عطا کیا۔ قیامت کے

---

[1] اصابہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعدؓ کی صاحبزادی اُمِّ سعید ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دن وہ سرورِ کائنات کے نقیبوں میں شمار کیا جائیگا۔

○ حضرت منذرؓ بن عمرو

حضرت منذرؓ بن عمرو عقبہ ثانی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ساتھ بنو ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ نہایت متقی اور عابد و زاہد تھے۔ عربی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جنگِ بدر اور احد میں والہانہ جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔ بیر معونہ میں جامِ شہادت پیا اور " اعنق لیموت " کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سانحہ بیر معونہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے۔ اس دلگداز واقعہ کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

جنگِ احد کے کچھ عرصہ بعد نجد کے قبیلۂ بنی عامر کا ایک شخص ابو براء عامر بن مالک کچھ آدمیوں کا ایک وفد بنا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ہمارے علاقہ کے لوگ دینِ حق کی طرف مائل ہیں ان میں تبلیغ کرنے اور تعلیم دینے کے لیے کچھ آدمی ہمارے ساتھ بھیجئے۔ ابو براء کا بھتیجا نجد کا حاکم تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ " مجھے اندیشہ ہے میرے آدمیوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"

ابو براء نے اطمینان دلایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ہم لوگ بنی عامر کے رئیس ہیں کسی کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے عہدِ خلافت میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے اپنی چادر بچھادی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا " یہ کون ہے ؟ فرمایا " یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو ہم دونوں سے بہتر تھا " حضرت عمرؓ نے پوچھا " یا خلیفۂ رسول اللہ وہ کیسے ؟ صدیقِ اکبرؓ نے جواب دیا " وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بابرکت میں جنت کو سدھارا اور ہم تم یہیں باقی رہ گئے "

مجال نہیں کہ ہمارے مہمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کی ایک جماعت حضرت منذر بن عمروؓ انصاری کی زیر قیادت ابو براء کے ہمراہ کر دی اور عامر بن طفیل رئیس نجد کے نام ایک مکتوب روانہ کیا جس میں اسے دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ یہ ستر صحابۂ کرام "قراء" کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ سب قرآن حکیم کے حافظ تھے۔ ان میں زیادہ تعداد انصار کی تھی اور مہاجرین چند ایک ہی تھے۔ یہ حضراتؓ مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر بیر معونہ پہنچے جو بنی عامر کا علاقہ تھا۔ یہاں سب نے قیام کیا۔ حضرت حرام بن ملحان انصاریؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک ہاتھ میں لیا اور دو ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اسے عامر بن طفیل کو پہنچانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے واپس آنے تک یہاں ہی ٹھہریں۔ یہ تینوں بندگانِ حق جب حاکمِ نجد کی قیامگاہ کے قریب پہنچے تو حضرت حرامؓ بن ملحان نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم یہی ٹھہر جاؤ اگر کوئی فریب نہ ہوا تو تم بھی آجانا ورنہ بھاگ کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دینا۔

حضرت حرام بن ملحانؓ نے جب عامر بن طفیل کو نامۂ نبوی دیا تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اس نے قبیلہ کے ایک شخص جبار بن سلمٰی کو اشارہ کیا اس نے حضرت حرام کی پشت کی طرف ہو کر ایک ایسا نیزہ مارا جو ان کے جسم کے پار نکل گیا۔ حضرت حرامؓ نے خون کا چلو بھر کر چہرہ اور سر پہ چھڑکا اور فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَہ (رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔) حضرت حرامؓ کے دوسرے دو ساتھیوں میں سے ایک تو پہاڑ میں چھپ رہے کیونکہ ایک ٹانگ میں لنگ ہونے کی وجہ سے تیز نہیں چل سکتے تھے دوسرے نے باقی مسلمانوں کو اطلاع دی۔ حضرت منذرؓ بن عمرو اور عمروؓ بن امیہ ضمری

اونٹ چرانے قیامگاہ سے دور گئے ہوئے تھے۔ دوسرے مسلمان فوراً موقع پر پہنچے۔ عامر بن طفیل کے اشارے سے دوسرے قبائل (رعل۔ ذکوان) کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ ان سب نے مل کر ان مقدس ہستیوں کو گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا بجز حضرت کعب بن زیدؓ کے جو سخت زخمی ہوئے اور دوسرے شہدا کی لاشوں کے نیچے دب گئے کفار نے انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ جب حضرت منذرؓ بن عمرو اور عمروؓ بن امیہ اونٹ چرا کر لوٹے تو انہوں نے آسمان پر گدھ اڑتے دیکھے ادھر جا کر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا۔ رعل و ذکوان کے سوار خون آلود تلواریں لیے ان کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ان دونوں جانبازوں نے بھی شوقِ شہادت میں تلواریں نکال لیں اور لاتعداد مشرکوں سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ حضرت منذرؓ تو لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمروؓ بن امیہؓ گرفتار ہو گئے۔ عامر کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی اس نے یہ منت پوری کرنے کے لیے انہیں چھوڑ دیا۔

حضورؐ کو جب اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع ملی تو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے ایک مہینہ تک بزدل قاتلوں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت منذرؓ بن عمروؓ کے متعلق فرمایا اعنق لیموت اس نے موت کی طرف سبقت کی ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

○ حضرت سعدؓ بن خیثمہ

سعد نام، ابوخیثمہ کنیت اور خیر لقب تھا۔ بیعتِ عقبۂ ثانی میں انھیں بنی عمرو بن عوف کا نقیب منتخب کیا گیا۔ ہجرت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں حضرت کلثومؓ بن الہدم کے ہاں قیام فرمایا۔ لیکن عام لوگوں سے ملاقات کے لیے حضورؐ

حضرت سعد بن خیثمہؓ کے گھر تشریف لے آتے تھے۔ والد حضرت خیثمہؓ بھی صحابی تھے۔

غزوۂ بدر میں حضرت سعدؓ نے مشہور مشرک طعیمہ بن عدی یا عمرو بن عبدود کے ہاتھوں اور غزوۂ احد میں ان کے والد حضرت خیثمہؓ نے ہبیرۃ بن ابی وہب کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔

○ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان

حضرت ابوالہیثمؓ مالک بن التیہان زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانی دونوں میں شرکت کی۔ مؤخرالذکر بیعت کے بعد حضرت اسیدؓ بن حضیر کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے نقیب مقرر ہوئے۔ وہ تمام غزواتِ نبوی میں شریک ہوئے۔ اسلام کے جانباز سپاہی تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی۔ ان کی اسی محبت کی وجہ سے سرورِ کائنات نے اپنی زبان مبارک سے ان کی تعریف فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

ان بارہ نقباء کا انتخاب ہو چکا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"تم اپنی آبادی کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ کے حواری ذمہ دار تھے۔ اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں جب تک کہ تمہارے پاس ہجرت نہ کر آؤں۔ ابھی اللہ نے ہجرت کا حکم نہیں دیا۔"

سارے نقباء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر آمنا وصدقنا کہا۔

قریش کی تلملاہٹ

جب یہ سارے معاملات طے ہو رہے تھے۔ قریش کے ایک جاسوس کے کانوں میں باتوں کی بھنک پڑگئی۔ وہ زور سے پکارا۔ "اے اہلِ مکہ یہ بے دین تم سے لڑنے کے مشورے کر رہے ہیں۔"

حضورؐ نے انصار سے فرمایا۔ "اب تم اپنی قیام گاہ کو لوٹ جاؤ۔"

حضرت سعد بن عبادہؓ کو جوش آگیا بولے "اگر آپ اجازت دیں تو خدا کی قسم ہم کل ہی اہلِ مکہ کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں ابھی ہمیں جنگ کا حکم نہیں۔"

غرض انصارؓ اپنے خیموں میں واپس آئے، اور ابھی کچھ رات باقی تھی کہ سب مدینہ کی طرف چل پڑے صرف دو بزرگ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور منذرؓ بن عمرو کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔

جب صبح ہوئی تو رؤسائے قریش اہلِ یثرب کے خیموں میں آئے اور ان سے کہا۔ "تم لوگوں نے رات کو ہمارے خلاف لڑنے کے منصوبے بنائے ہیں حالانکہ ہم تم سے لڑنا بہت برا سمجھتے ہیں[۱]۔"

یہ سب مشرک تھے اور انہیں اپنے یثربی ساتھیوں کی بیعت کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر رؤسائے قریش کو یقین دلایا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور تم

---

[۱] قریش اہلِ مدینہ کو ان کے زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے۔

سے کسی نے غلط بیانی کی ہے۔ رؤسائے قریش واپس چلے گئے لیکن ان کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اب انہوں نے ان مخصوص آدمیوں کی تلاش شروع کر دی جن کے مسلمان ہونے کا انھیں یقین تھا۔ دوسرے لوگ تو نکل چکے تھے حضرت سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ ان کے ہاتھ آ گئے۔ منذرؓ تو کسی طرح ان کی گرفت سے آزاد ہو گئے مگر حضرت سعدؓ بن عبادہ کو انہوں نے ان کے کجاوے کے تسموں سے باندھ دیا اور بال کھینچ کھینچ کر زدوکوب کرتے ہوئے مکہ لائے۔ جو مشرک آتا انھیں مارتا پیٹتا[1] اور ان کے لمبے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتا تھا۔ آخر ایک مشرک کو رحم آگیا اس نے ان سے پوچھا "کیا مکہ میں تمہاری کسی سے شناسائی ہے؟"

حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ تجارت کے لیے وقتاً فوقتاً یثرب جاتے ہیں۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔

اس شخص نے کہا "ان دونوں کا نام لے کر زور زور سے پکارو۔"

حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔ دوسری طرف اس شخص نے ان دونوں سے جا کر کہا کہ سعدؓ بن عبادہ نامی ایک یثربی بری طرح پٹ رہا ہے اور تمہارے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ وہ بولے۔ "غضب ہو گیا سعد بن عبادہ تو خزرج کے رئیس اعظم ہیں اور وہ ہم سے بڑی مروت سے پیش آیا کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے

---

[1] حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سرخ و سپید خوش صورت آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا اور خیال کیا کہ یہ شخص رحمدل اور معقول معلوم ہوتا ہے شاید مجھے اس عذاب سے نجات دلائے لیکن اس نے پاس آکر میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ میرا منہ بھر گیا۔ میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سب نامعقول اور سیاہ باطن ہیں۔ تھپڑ مارنے والے یہ صاحب سہیل بن عمرو تھے جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے اور جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔

اور انھیں اشقیا کے پنجۂ ستم سے نجات دلائی۔ یہاں سے رہا ہو کر وہ نہایت تیز رفتاری سے اپنے ساتھیوں سے جا ملے جو انھیں چھڑانے کے لیے مکّہ واپس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔



سیّد الانبیاءؐ کی ہجرت

جور و ستم کا ہولناک طوفان

فضائے مکہ پر مشرکینِ قریش کے زہرہ گداز جور و ستم اور شقاوت کی تیرہ و تار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ شہر کا ہر پیر و جوان علمبردارانِ حق کے خون کا پیاسا بنا ہوا تھا۔ انسان نما درندے منہ پھاڑے خدائے واحد کے پرستاروں کو کھا جانے پر تلے بیٹھے تھے۔ نبوت کے ابتدائی تیرہ سالوں میں کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو مشرکین مکہ نے فرزندانِ توحید پر نہ توڑا ہو۔ لیکن اس تیرہ و تار فضا اور جور و ستم کے بحرِ متلاطم میں یتیم مکہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ مستحکم چٹان بن کر کھڑے تھے۔ اہلِ یثرب پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے رحمتِ مجسّم تشریف لایئے ہمارے دیدہ و دل آپ کے لیے فرشِ راہ ہیں۔ قبیلۂ دوس کا مضبوط قلعہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ہادیٔ اعظم تشریف لایئے میرے قبیلہ کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن کسی مشرک کو میرے دروازے سے نہیں گزرنے دے گا۔[1] لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے —— خاموش

[1] قبیلۂ دوس کے رئیس حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے دعوتِ حق کے آغاز میں ہی اسلام قبول کر

اور حکمِ ایزدی کے منتظر ـــــ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو جو سالہا سال سے کفارِ مکہ کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے ہوئے اجازت دے دی کہ وہ یثرب چلے جائیں۔ چنانچہ بیشتر صحابہؓ اپنے گھر بار، مال وجائداد اور خویش واقارب کو چھوڑ کر محض رضائے الٰہی کی خاطر ہجرت کرکے یثرب چلے گئے۔ مشہور صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی مکہ میں باقی رہ گئے اور یا وہ مفلس اور کمزور مسلمان جنہیں قرآنِ کریم میں "مستضعفین" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آخر چند دن بعد وہ وقت بھی آگیا کہ عزیزِ وطن فخرِ موجودات بھی سنتِ انبیاؑ کے مطابق غریب الوطنی اختیار کریں۔ ستانے والوں نے جلد ہی خود اس کا سامان مہیا کر دیا۔

کفارِ مکہ کی ناپاک سازش

جب مشرکینِ مکہ کے جور وستم اور مظالم وشدائد کے سب حربے ناکام ہوچکے تو انہوں نے آخری فیصلہ کے لیے ایک عظیم مجلسِ مشاورت منعقد کی۔ سنہ ۱۳ نبوت کے ماہ صفر کی آخری تاریخیں تھیں جب قصی بن کلاب کے تاریخی مکان "دارالندوہ" میں تمام اشقیاء کے نمائندے جمع ہوئے۔ ان میں ابوسفیان بن حرب، ابوجہل، ابولہب، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، طعیمہ بن عدی، زمعہ بن اسود، ابوالبختری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیا تھا ان کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مشرکینِ قریش کی ایذارسانیوں کو دیکھ کر حضرت طفیلؓ نے حضورؐ سے استدعا کی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ قبیلہ دوس کا بچہ بچہ کٹ مریگا۔ لیکن آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دے گا۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ میں حکمِ الٰہی کے بغیر کہیں نہیں جاسکتا

بن ہشام اور حارث بن عامر جیسے رؤسائے قریش بھی شامل تھے۔ نجد کا ایک پیرِکہن سال اس مجلس کا صدر چنا گیا اور اجتماع کی کارروائی شروع ہوئی۔ نضر بن حارث نے اٹھ کر بڑے جوش سے کہا۔" محمدؐ کو طوق و سلاسل میں پابند کر کے ایک کوٹھڑی میں محبوس کر دو اور کھانے پینے کے لیے مطلق کچھ نہ دو۔ بھوک پیاس اور قید و بند کے مصائب خود بخود اس کا خاتمہ کر دیں گے۔"

نجدی پیرِ فرتوت نے کہا۔" تجویز تو معقول ہے لیکن مجھے خدشہ ہے کہ اس قسم کا اقدام خانہ جنگی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا کیونکہ بنو ہاشم اور" خود ساختہ خدائے واحد" کے پرستار محمدؐ کو چھڑانے کی کوشش کریں گے اور ہم یقیناً ان سے بھڑ جائینگے۔"

اب امیہ بن خلف اٹھا اور اس نے کہا

" نضر کی تجویز سے مجھے بھی اختلاف ہے بہتر یہ ہے کہ محمدؐ کو زبردستی مکہ سے نکال دیا جائے۔ نہ وہ یہاں ہوگا نہ فتنہ پھیلے گا۔"

صدرِ مجلس نے اس تجویز کو بھی پُرخطر کہہ کر رد کر دیا۔

اب مکہ کا شیطانِ اعظم عمرو بن ہشام (ابوجہل) اٹھا اور اس نے کہا:۔

" میری رائے میں ہر قبیلے سے ایک جنگجو چنا جائے۔ یہ سب جنگجو تلواریں لے کر بیک وقت محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح کسی ایک شخص یا قبیلہ پر اس کے قتل کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور بنو ہاشم میں یہ طاقت کہاں کہ وہ تمام قبائل کی متحدہ قوت کا مقابلہ کر سکیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ خون بہا کا مطالبہ کریں گے۔ اس کا ادا کرنا ہمارے لیے چنداں مشکل نہیں۔"

بوڑھے شیطان اور دوسرے لوگوں نے ابوجہل کی تجویز سے اتفاق کیا اور اس

پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ سارے قبیلوں کے چیدہ جنگجو رات کو کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کریں اور جب محمد باہر نکلیں تو سب تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔

ہجرتِ نبویؐ

جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ سازش ہو رہی تھی تو عبدالمطلب کی بھتیجی رقیقہ بنت صیفیؓ کہیں پاس ہی کفار کی باتیں سن رہی تھیں وہ دوڑی دوڑی سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں پہنچیں اور آپؐ کو کفار کے بدعزائم سے مطلع کر دیا ادھر جبریلِ امینؑ بھی تشریف لا چکے تھے اور حضورؐ کو حکمِ الٰہی سنا دیا تھا کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی اجازت ملتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اس وقت شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اور دھوپ سے بچنے کے لیے حضورؐ نے سر پر چادر ڈال رکھی تھی۔ اس سے پہلے حضورؐ بالعموم دن میں دو بار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن دوپہر کے وقت کبھی قدم رنجہ نہ فرمایا تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ ضرور کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے انہوں نے بڑے تپاک سے حضورؐ کا خیر مقدم کیا اور آپ کو ایک چوبی تخت پر بٹھا کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے اور میں عازمِ یثرب ہونے والا ہوں۔" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا مجھے بھی معیت کا شرف حاصل

ہوگا۔" ارشاد ہوا "ہاں" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ فرطِ مسرت سے اشک بار ہوگئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو اس وقت کمسن تھیں، فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ کوئی شخص خوشی سے بھی روتا ہے اس دن اپنے والدِ محترم کو روتے دیکھا تو یہ بات معلوم ہوئی۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس دن کا کئی ماہ سے انتظار تھا۔ انہوں نے سفرِ ہجرت کے لیے دو فربہ اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ محسنِ عالمؐ نے اس شرط پر قبول کرلی کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس کی قیمت لینی ہوگی۔ اس کے بعد حضورؐ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی دن (یا بروایتِ دیگر دو تین روز بعد) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بلا کر فرمایا کہ اے علیؓ! مجھے ہجرت کا حکم ہوگیا ہے۔ آج رات میں یہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہو جاؤں گا لیکن مجھے لوگوں کی امانتوں کی فکر ہے۔ تم میرے بچھونے پر میری سبز چادر اوڑھ کر لیٹ جانا انشاءاللہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ صبح کو تمام لوگوں کی امانتیں واپس کرکے تم بھی یثرب پہنچ جانا۔"

رات کو کفار نے کاشانۂ اقدس کے گرد گھیرا ڈال لیا کچھ رات گئے حضورؐ سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھتے ہوئے کفار کے درمیان سے نکل گئے۔ ان آیتوں میں سے ایک یہ ہے

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ (۳۶: ۹)

ترجمہ:۔ (اور ہم نے ان کے سامنے اور پیٹھ پیچھے سے ایک دیوار حائل کردی کہ وہ کچھ نہیں دیکھ پاتے تھے۔)

اللہ تعالے نے مشرکین کو ایسا بے خبر کیا کہ وہ حضورؐ کو دیکھ ہی نہ سکے [1] حضورؐ یہاں سے نکل کر حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی سراپا انتظار بیٹھے تھے۔ جلد جلد سفر کی تیاری کی۔ ان کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نے دو تین دن کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ کھانا اور پانی کا برتن باندھنے کے لیے کوئی کپڑا نہ ملا تو جلدی سے اپنے کمربند (نطاق) کے دو ٹکڑے کیے ایک سے پانی کے مشکیزے کا منہ باندھا اور دوسرے میں کھانا لپیٹا۔ اسی دن سے وہ ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام اندوختہ بھی ہمراہ لے لیا کہ غریب الوطنی میں کام آئے گا۔ رات کے پچھلے پہر سرورِ کائنات ؐ اپنے رفیقِ صادقؓ کے ہمراہ مکہ سے

---

[1] ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس موقع کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ہے۔

ارادہ کر لیا جب سرورِ عالمؐ نے جانے کا
تو دیکھا راستہ مسدود ہے گھر سے نکلنے کا
دروازوں میں جھانکا ہر طرف گہرا اندھیرا تھا
مگر پہرے کھڑے تھے گھر کو جلادوں نے گھیرا تھا
اندھیرے میں چمک اٹھتی تھیں بجلی کی طرح دھاریں
نظر آیا کہ ہیں ہر سمت تلواریں ہی تلواریں
یہ آدھی رات کا عالم یہ ہیبت ناک نظارہ
مگر ڈرتا نہ تھا باطل سے وہ اللہ کا پیارا
وہ ڈراتا ہوا، وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا
تلاوت سورۂ یسٰین کی کرتا ہوا نکلا
گری برقِ نظر اس مجمعِ قاتل کی آنکھوں پر
کہ پٹی خیرگی کی بندھ گئی باطل کی آنکھوں پر
کھنچی ہی رہ گئیں خونریز و خون آشام شمشیریں
کسی نے کھینچدی ہوں جس طرح کاغذ کی تصویریں

خدا نے خاکِ غفلت ڈال دی کفار کے سر میں
رسولِ پاک پہنچے حضرت صدیقؓ کے گھر میں

نکلے اور تین چار میل چل کر غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ غار میں قیام فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ کفار کے تعاقب کا خدشہ تھا۔ یہ ایک پرانا غار تھا اور اس میں حشرات الارض کے بیسیوں سوراخ تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے تھے غار میں پہنچ کر صدیق اکبرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ غار میں داخل ہوتے وقت صدیقِ اکبرؓ نے اپنی قبا پھاڑ کر تمام سوراخ بند کر دیئے صرف ایک سوراخ رہ گیا جس کے لیے کپڑا نہ بچا۔ رسولِ کریمؐ جب استراحت فرما ہوئے تو صدیقِ اکبرؓ نے اس سوراخ کے آگے اپنا پاؤں رکھ دیا۔ یہ سوراخ ایک سانپ کا بل تھا۔ اس نے باہر کا راستہ بند پاکر صدیقِ اکبرؓ کے پاؤں کے انگوٹھے میں کاٹ کھایا۔ شدتِ درد سے صدیقِ اکبرؓ کے آنسو نکل آئے لیکن انہوں نے غار کے منہ سے پاؤں ہٹانا گوارا نہ کیا کہ مبادا سانپ باہر نکل کر حضورؐ کو بھی ضرر پہنچائے۔ صدیقِ اکبرؓ کے آنسو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ اقدس پر پڑے تو آپؐ جاگ پڑے پوچھا ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کی "یا رسول اللہ مجھے سانپ نے ڈس لیا۔" سرورِ عالمؐ نے اسی وقت زخم پر اپنا لعابِ دہن لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آناً فاناً زہر کا اثر دور کر دیا۔

دوسری طرف مشرکین ساری رات کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کیے پڑے رہے۔ دروازے کی درزوں سے جھانک کر دیکھتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سرورِ کائناتؐ سمجھ کر ان کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔ صبح ہوئی تو رسالت مآبؐ کی بجائے علی المرتضیٰ بستر سے اٹھے۔ کفار سخت ٹپٹائے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو پکڑ لیا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ آخر تھوڑی دیر خانۂ کعبہ میں محبوس رکھ کر انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کفار صدیقِ اکبرؓ کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ

کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ باہر نکلیں۔ ابوجہل نے خشم آلود لہجے میں پوچھا۔ لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں۔"

ابوجہل کو سخت غصہ آیا۔ اسے یقین تھا کہ ابوبکرؓ کی بیٹی بناوٹ سے کام لے رہی ہے۔ فرطِ غضب میں اس نے حضرت اسماءؓ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کے چہرے پر انگلیوں کے نشان جم گئے اور کان کی بالی گر گئی لیکن انہوں نے اف تک نہ کی۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اب سرگرمی سے سرورِ کائناتؐ اور صدیقِ اکبرؓ کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کرتے کرتے غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ جب ان کی باتوں کی آواز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سنی تو بہت مضطرب ہوئے اور کہا "یا رسول اللہ دشمن ہمارے سر پر پہنچ گئے"۔ حضورؐ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا:-

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (مت غم کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے)

خدا کی قدرت کہ غار کے منہ پر ایک مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے غار کے منہ کے قریب گھونسلا بنا کر انڈے سینے شروع کر دیئے تھے[1]۔ کفار نے پہلے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں لیکن مکڑی کا جالا اور کبوتروں کا گھونسلا دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ غار کے اندر کوئی شخص نہیں گیا۔ چنانچہ وہ بے نیلِ مرام واپس چلے گئے اور مکہ پہنچ کر ابوجہل، امیہ بن خلف اور دوسرے عمائدِ قریش نے اعلان

---

[1] بعض اربابِ سِیَر کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔

کیا کہ جو شخص محمدؐ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

غارِ ثور میں سرورِ کائناتؐ اور صدیقِ اکبرؓ تین دن رات مقیم رہے۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ جو صدیقِ اکبرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے بکریاں چراتے چراتے شام کو غار کے منہ پر لے آتے اور ان کا دودھ دوہ کر خدمتِ اقدس میں پیش کرتے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ اپنی بہن اسمأؓ کے ہمراہ رات کو چوری چوری رسولِ اکرمؐ اور صدیقِ اکبرؓ کو کھانا پہنچا آتے اور دن بھر کی خبریں بھی بتا آتے۔

تین دن کے بعد دونوں مراد اور مرید غار سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ نے وہ فربہ اور تیز رفتار سانڈنیاں غار کے منہ پر لا کھڑی کیں جو اسی مقصد کے لیے تیار کی گئی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارقیط لیثی ایک غیر مسلم لیکن قابلِ اعتماد رہبر کو ساتھ لے کر اللہ کی ان مقدس ہستیوں نے ہجرت کے لمبے سفر کا آغاز فرمایا۔ عبداللہ بن ارقیط کے مشورہ کے مطابق سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحلِ بحر کا لمبا راستہ اختیار کیا گیا۔

مختلف کتب حدیث و سیر میں ہے کہ غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مقدس قافلے کا گزر قدید کے مقام پر امِ معبدؓ عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمے پر ہوا۔ امِ معبدؓ اور ان کے خاوند ابو معبد تمیم اس خیمے میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے۔ جب حضورؐ وہاں رونق افروز ہوئے تو ابو معبد تمام دودھ والی اور اچھی بکریاں لے کر چراگاہ کو گئے ہوئے تھے۔ حضورؐ (یا حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے امِ معبد سے پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ انہوں نے کہا۔ "اگر ہوتی تو میں خود ہی حاضر کر دیتی۔" ایک کونے میں ایک لاغر بکری بندھی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے امِ معبد سے پوچھا کہ یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ بہت لاغر ہے اس لیے دوسری

بکریوں کے ساتھ چرنے کے لیے نہیں جا سکی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اس کے دودھ ہے؟ اُمّ معبد نے کہا۔ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو اس کا دودھ دوہ لوں۔ اُمّ معبد نے کہا۔ "اگر یہ دودھ دے سکے تو بخوشی دوہ لیں۔" حضورؐ نے دعا فرمائی پھر بسم اللہ کہہ کر اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو فوراً ان میں دودھ اتر آیا اور ایک بڑا برتن دودھ سے لبریز ہو گیا۔ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں نے یہ دودھ پی لیا۔ دوسری مرتبہ بکری کو دوہا تو برتن پھر بھر گیا یہ بھی حضورؐ اور آپ کے رفقاء نے پی لیا۔ تیسری مرتبہ برتن پھر دودھ سے پُر ہو گیا۔ حضورؐ نے اسے اُمّ معبد کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

ابو معبد گھر آئے تو خیمے میں دودھ سے لبریز برتن دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کہاں سے آیا۔" اُمّ معبد نے انہیں سارا واقعہ سنایا تو وہ بولے "ذرا اس مسافر کا حلیہ تو بیان کرو۔"

اُمّ معبد نے بے ساختہ جواب دیا:۔

"پاکیزہ صورت، کشادہ رو، خوش اخلاق، نہ پیٹ بڑھا ہوا نہ چندیا کے بال گرے ہوئے، وجیہ و جمیل، آنکھیں سیاہ اور بڑی۔ بال لمبے اور گنجان، آواز میں بھاری پن، سیدھی گردن، روشن اور سرگیں آنکھیں، باریک و پیوستہ ابرو، خاموش، باوقار، دور سے دیکھنے میں بھلے اور دلربا۔ قریب سے نہایت حسین اور شیریں، کلام جچا تلا، الفاظ ضرورت سے نہ کم نہ زیادہ، گفتگو ایسی کہ موتی ہار میں پروئے ہوئے ہوں۔ میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے۔"
(زاد المعاد)

ابو معبد بولے۔ "یہ ضرور صاحبِ قریش ہے میں اس سے جا کر ملوں گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ اُمّ معبدؓ اسی موقع پر مشرف باسلام ہو گئی تھیں دوسری روایتوں میں ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں اور دونوں میاں بیوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام و بیعت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ابنِ سعد نے یہ روایت مختلف طریقے سے بیان کی ہے۔ انہوں نے طبقات میں لکھا ہے کہ جب حضورؐ اُمّ معبدؓ کی قیام گاہ پر پہنچے تو انہوں نے ایک بکری ذبح کرنے کی غرض سے پیش کی جو دودھ دیتی تھی۔ حضورؐ نے اس کے تھن چھوئے اور فرمایا۔ "اس کو ذبح نہ کرو" اُمّ معبدؓ دوسری بکری لائیں اور اس کو ذبح کر کے حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا اور کچھ ساتھ بھی کر دیا۔

اُمّ معبدؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس بکری کے تھن اپنے دستِ مبارک سے مَس فرمائے تھے وہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت تک ہمارے پاس رہی ہم اس کو صبح و شام دوہا کرتے تھے اور اس کا دودھ پیتے تھے۔

قریشِ مکہ کا انعامی اعلان سن کر قبیلۂ بنو مدلج کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم اپنی برق رفتار گھوڑی عوذ پر سرورِ کائناتؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا کسی نے اس کے کان میں بھنک ڈال دی کہ ساحلِ بحر کی طرف کچھ سائے دیکھے گئے ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہوں۔ سراقہ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا اور اپنی گھوڑی سرپٹ دوڑاتا ہوا سرورِ کائناتؐ کے مقدس قافلے کے قریب جا پہنچا۔ صدیقِ اکبرؓ نے اسے دیکھ لیا اور عرض کی۔ "دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "گھبراؤ نہیں اللہ ہمارا حافظ و ناصر ہے۔"

عین اس وقت سراقہ کی گھوڑی نے ٹھوکر کھائی اور وہ نیچے آ رہا۔ شگون نیک نہیں تھا لیکن انعام کی ترغیب بھی بہت بڑی تھی پھر گھوڑی پہ سوار ہو کر آگے بڑھنا چاہا۔ اب گھوڑی گھٹنوں گھٹنوں تک ریت کے اندر دھنس گئی۔ سراقہ کی ہمت پست ہوگئی گڑگڑا کر کہا:۔

"یا محمدؐ! میری توبہ اب آپؐ کا تعاقب نہ کروں گا اور اگر کوئی دوسرا شخص آپ کے تعاقب میں آتا ملا تو اسے بھی واپس لے جاؤں گا۔ ازراہِ کرم مجھے اس گردابِ بلا سے نکالیے۔"

رحمتِ مجسمؐ نے سراقہ کے حق میں دعا مانگی اور اس کی گھوڑی ریت سے نکل آئی۔ سراقہ مرعوب ہوگیا اور رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں ایک تیر پیش کر کے کہا۔ "یا محمدؐ یہ میرا نشان ہے فلاں مقام پر میرے کچھ غلام میرے اونٹ چرا رہے ہوں گے۔ آپ کو جس قدر غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو وہاں سے بے تکلف لے جائیں اگر مزید زادِ سفر درکار ہو تو وہ بھی مہیا کیے دیتا ہوں۔" [1]

---

[1] سراقہؓ بن مالک (بن جعشم) فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے اس وقت انہوں نے حضورؐ کو اپنے ناکام تعاقب کا واقعہ یاد دلایا اور آپؐ کا عطا کردہ فرمانِ امن بھی پیش کیا حضورؐ متبسم ہوئے۔ اس موقعہ پر رسولِ اکرمؐ نے ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرمائی جس کی بدولت سراقہؓ کو تاریخِ اسلام میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ حضورؐ نے سراقہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ (شاہ ایران) کے کنگن پہنو گے۔" حضورؐ کا ارشاد فی الحقیقت مستقبل قریب میں مسلمانوں کے فاتح ایران بننے کی پیشگوئی تھی جب عہدِ فاروقیؓ میں ایران کے دارالسلطنت مدائن پر مسلمان قابض ہوئے اور کسریٰ کے کنگن مالِ غنیمت میں مدینہ پہنچے تو فاروق اعظمؓ کو رسولِ اکرمؐ کا ارشاد یاد آگیا۔ آپؓ نے سراقہؓ [illegible] ہاتھوں میں پہنائے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

سراقہ جلالِ نبوت سے ایسا مرعوب ہوا کہ اس نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مجھ کو امان نامہ لکھ دیجیے۔ حضورؐ نے عامرؓ بن فہیرہ کو جو لکھنا جانتے تھے حکم دیا کہ امان نامہ لکھ دو۔ انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ کر سراقہ کو دے دیا اور وہ واپس مکہ چلا گیا۔

ابوجہل کو کسی ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ سراقہ نے دانستہ محمدؐ کو چھوڑ دیا چنانچہ اس نے سراقہ کو ملامت کی۔ سراقہ نے اس کو بتایا کہ کاش تم میری اور میری گھوڑی کی حالت دیکھتے۔ پھر تم مجھے ملامت نہ کرتے۔ بہتر یہ ہے کہ تم محمدؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دو میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب وہ عروج حاصل کریں گے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ سراقہ کے علاوہ ایک شخص بریدہ اسلمی بھی اپنے قبیلہ کے ستر آدمیوں کے ساتھ حضورؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا لیکن جب اسے حضورؐ سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا تو اتنا متاثر ہوا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنی پگڑی نیزہ پر باندھ لی اور لوگوں کو حضورؐ کی آمد کی خوشخبری سنانے آگے چل دیا۔

اثنائے راہ میں حضورؐ کو حضرت زبیرؓ بن العوام ملے جو شام سے تجارت کر کے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے رسولِ اکرمؐ اور صدیقِ اکبرؓ کی خدمت میں چند قیمتی (سفید) کپڑے پیش کیے۔

قُبا میں ورودِ مسعود

مدینہ منورہ میں کسی ذریعہ سے یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سرورِ کونینؐ ارضِ یثرب میں

تشریف لایا ہی چاہتے ہیں۔ تمام شہر ہمہ تن انتظار اور پیکرِ اشتیاق بنا ہوا تھا۔ انصارؓ کے ہر فرد پر بے پناہ فرحت وانبساط کا عالم طاری تھا۔ ان کے ذوق وشوق اور بیتابی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ چلچلاتی دھوپ میں مدینہ سے تین چار میل چل کر حرّہ تک جاتے۔ دوپہر تک حضورؐ کا انتظار کرتے رہتے اور پھر ایک گونہ حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ ان مشتاقانِ زیارت میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی ہوتے تھے۔ ادھر سرورِ عالمؐ خرار، مدلجہ، مرجح، حداید، اذاخر، رابغ، قاحہ، عرج، رکوبہ، عبکا، عقیق وغیرہ مختلف منازل طے کرتے ہوئے آٹھ ربیع الاوّل ۱۳ نبوت بروز پنجشنبہ قبا کے قریب پہنچ گئے۔ اس دن بھی انصار معمول کے مطابق انتظار کرنے کے بعد مایوس واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ (یا ایک ٹیلہ) کی بلندی سے حضورؐ کی سواری دیکھ لی اور بھانپ گیا کہ یہ وہی "صاحبِ قریش" ہیں جن کا انصار کو انتظار ہے۔ (حضورؐ نے جب دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مکہ سے باہر اہلِ عرب میں آپؐ "صاحبِ قریش" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔) اس نے انصار کو آواز دی۔ "بنو قیلہ تمہارے صاحب آ پہنچے"[1] اس آواز کا انصار کے کانوں میں پڑنا تھا کہ وہ فرطِ مسرت سے دیوانے ہو گئے۔ تکبیر کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کر دیئے اور رحمۃ للعالمینؐ کی زیارت کے لیے جمع ہو گئے جو لوگ گھروں میں تھے وہ بھی اپنے ہتھیار لے کر بیتابانہ قبا کی طرف اٹھ دوڑے۔ غرض ؎

نظر آئی جونہی پہلی جھلک بدرِ مبشر کی
سلامی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی

---

[1] انصار دو بھائیوں اوس اور خزرج کی اولاد سے تھے۔ یہ دونوں اگرچہ حارثہ کے بیٹے تھے لیکن قیلہ کے بیٹے مشہور تھے جو ان کی ماں تھی۔ اسی نسبت سے اوس وخزرج کی اولاد کو بنو قیلہ بھی کہا جاتا تھا۔

اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے

(حفیظ جالندھری)

حضورؐ کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ مہاجرین (جو حضورؐ سے پہلے یہاں آ گئے تھے۔) اور انصارؓ گروہ در گروہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور شرفِ قدمبوسی حاصل کرتے۔ حضورؐ آٹھ دن کے طویل سفر سے تھک گئے تھے اس لیے آپؐ نے چند دن قبا ہی میں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہ مژدۂ جانفزا اہلِ قبا کے لیے باعثِ صد ہزار سعادت تھا۔

قبا مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ اس کی سطح مرتفع ہے۔ یہاں انصار کے کئی خاندان آباد تھے۔ ان میں قبیلہ اوس کی ایک معزز شاخ عمرو بن عوف کا خاندان بھی تھا۔ اس خاندان کے سردار حضرت کلثوم بن الہدم[1] تھے۔ قبا میں سرورِ کونینؐ کی میزبانی کا شرف قسامِ ازل نے حضرت کلثومؓ بن الہدم کے مقدر میں لکھ رکھا تھا۔ حضورؐ نے انہی کے مکان کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ البتہ لوگوں سے ملاقاتوں کے لیے حضورؐ حضرت سعدؓ بن خثیمہ کے مکان میں تشریف لے آتے تھے۔ تین

---

[1] حضرت کلثوم بن الہدم رئیس بنو عمرو بن عوف کا لقب "صاحب رحل رسول اللہ" ہے۔ وہ اگرچہ نہایت ضعیف العمر ہو چکے تھے لیکن صدائے توحید سنتے ہی آبائی مذہب ترک کرنے میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کیا۔ غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ قبا میں رسولِ اکرمؐ کا شرفِ میزبانی اور مسجد قبا کا ان کی زمین پر تعمیر ہونا ان کی عظمت و جلالت پر دال ہے۔

دن کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ' بھی لوگوں کی امانتیں واپس کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبا میں آملے۔

مسجدِ قُبا کی تاسیس

قُبا میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد کی تعمیر کا کام تھا۔ اس مسجد کی زمین پر پہلے حضرت کلثوم کا مربد تھا۔ مربد وہ افتادہ جگہ ہوتی ہے جہاں کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں۔ حضرت کلثوم کو تعمیر مسجد کے لیے حضورؐ کی خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت خوشی سے یہ زمین حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس مقدس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی شان میں یہ آیات اتریں۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ۔ (۹ ع ۱۰۸)

ترجمہ:۔ "وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن (شروع ہی میں) پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور حق تعالیٰ صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

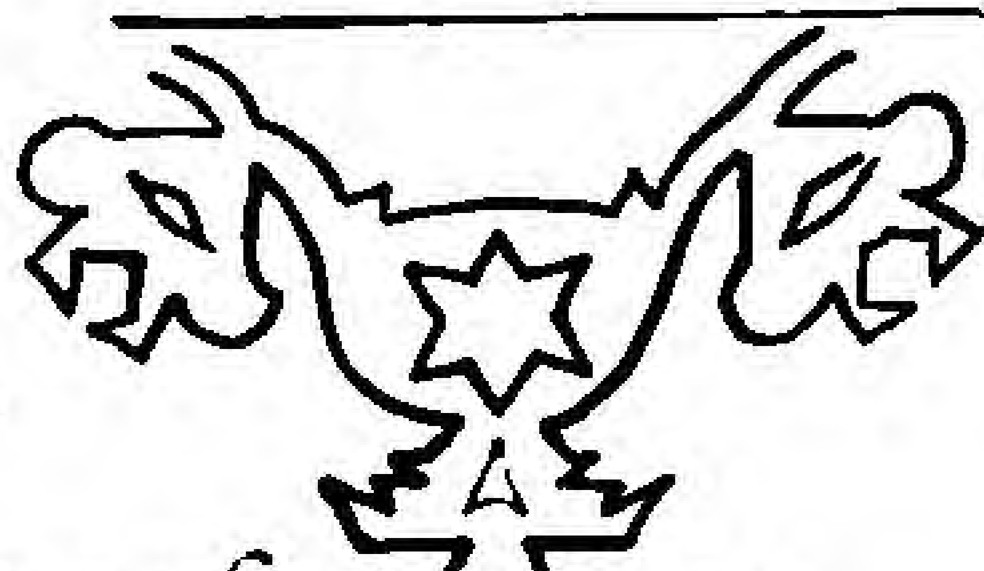
صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضورؐ ہمیشہ ہر شنبہ کو مدینہ سے قبا تشریف لاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضورؐ دوسرے لوگوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ جسمِ اطہر وزنی پتھر اٹھاتے وقت خمیدہ ہو

جاتا۔ صحابہ کرامؓ عرض کرتے۔ "یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ یہ کام ہم خود کر لیں گے۔" حضورؐ اپنے جاں نثاروں کی دلداری کے لیے ہاتھ کا پتھر چھوڑ دیتے لیکن پھر کوئی دوسرا وزنی پتھر اٹھا لیتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

شاعرِ انصارؓ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ (شہیدِ مُوتہ) بھی تعمیرِ مسجد میں شریک تھے وہ تھکن مٹانے کے لیے کام کرتے کرتے اپنے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

اُفْلِحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے
وَیَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات
وَلَا یَبِیْتُ اللَّیْلَ عَنْهُ رَاقِدًا	کو غافل ہو کر نہیں سوتا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ حضورؐ نے قبا میں باختلافِ روایت چار دن یا چودہ دن قیام فرمایا۔ صحیح بخاری میں مدتِ قیام چودہ دن ہے اور دوسری تمام روایتوں میں چار دن۔ زمانۂ حال کے مؤرخین میں علامہ شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے لیکن "رحمۃ للعالمین" کے مصنف قاضی سلمان منصور پوریؒ نے چار دن والی روایتوں کو اپنایا ہے۔ بہر صورت جمعہ کے دن حضورؐ نے مدینہ کا قصد فرمایا۔



زمینِ یثرب رشکِ فلک بن گئی

ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب
نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

(حفیظ جالندھری)

تاریخِ اسلام کا ایک تابناک دن

جس دن ارضِ یثرب کو سالارِ انبیاء فخرِ موجودات خیرالبشرؐ کے پائے اقدس چومنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ تاریخِ اسلام کا ایک تابناک دن ہے۔ سرورِ عالمؐ نے اندرونِ یثرب جانے کے لیے اپنی اونٹنی قصوا طلب فرمائی تو انصارِ قبا حضورؐ کی جدائی کے خیال سے افسردہ خاطر ہو گئے۔ قبیلۂ عمرو بن عوف کے عمائد حضورؐ کی اونٹنی کے آگے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ ہم سے کوئی کام مزاجِ گرامی کے خلاف تو سرزد نہیں ہوا یا حضورؐ ہمارے غریب خانوں سے کسی بہتر قیام گاہ میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "میں جہاں [illegible] ہے۔"

اس سے پہلے رہبرِ عالمؐ نے اپنے ارادہ سے بنو نجار کو مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ نہایت مسرت وابتہاج کے عالم میں ہتھیار سجا کر حضورؐ کی پیشوائی کے لیے قبا آ پہنچے۔ کوکبۂ نبوی قبا سے روانہ ہُوا تو آگے پیچھے دائیں بائیں انصار و مہاجرین کی مسلح جماعتیں چل رہی تھیں۔ انصار کے تمام قبیلے رحمۃ للعالمین کے انتظار میں قبا سے مدینہ تک ہتھیاروں سے آراستہ دو رویہ صف بستہ کھڑے تھے۔ دھوپ میں ان کے ہتھیاروں کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی اور فضا تکبیر اور اہلاً و سہلاً کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

سرورِ کونینؐ کی پہلی نمازِ جمعہ

اثنائے راہ میں بنو سالم کے محلہ میں (جو یثرب کا ایک بیرونی محلہ تھا) نماز کا وقت آگیا۔ سرورِ کونینؐ یہاں ٹھہر گئے اور تمام صحابہ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ تھی اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا۔ رہبرِ عالمؐ نے اپنے خطبہ میں رب العزت کی حمد و ستائش بیان کی۔ لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تلقین فرمائی اور ان پر واضح کیا کہ ایک دن ہم سب کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آخرت کے لیے نیک عمل کرے اور تقویٰ و طہارت کو اپنی زندگی کا شعار بنائے۔

سرورِ کونینؐ کا فقید المثال استقبال

اینک آں سروِ خراماں می رسد　　　اینک آں گلبرگِ خنداں می رسد

شاد باش اے چشمِ ہجران بلا — کز پے دردِ تو درماں می رسد
شوق کن اے بلبلِ گلزارِ عشق — کاں گل نوازِ گلستاں می رسد
در دلِ افسردہ روحے می دہد — مردہ تن را مژدۂ جاں می رسد
دور شو اے ظلمتِ شامِ فراق — کافتابِ وصلِ تاباں می رسد

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر ہادیٔ اکرمؐ یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ رحمۃ للعالمینؐ کا یثرب میں داخلہ دنیائے شوق اور تاریخِ عشق میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ جس والہانہ جوش و خروش اور بے پناہ ذوق و شوق سے اہلِ یثرب نے مکہ کے دُرِ یتیم کا استقبال کیا، تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دن "یثرب" "مدینۃ النبیؐ" بن گیا اور اس کی زمین رشکِ آسمان بن گئی۔ انصار کے وفورِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ قبا سے لے کر مدینہ تک تین میل کا راستہ جمالِ رسالت کے مشتاقانِ دید سے پٹا پڑا تھا۔ یہ مدینہ کی تاریخ کا سب سے بڑا یومِ مسرت تھا۔

خاکِ یثرب کے ذرات اُبھر اُبھر کر ہمہ تن دیدین گئے تھے کہ آج انھیں اس رحمتِ مجسّمؐ کے پائے اقدس چومنے کا شرف حاصل ہونے والا تھا جو تمام کائناتِ ارضی و سماوی کا سرمایۂ افتخار تھا۔ بچے اور عورتیں بھی پیکرِ ابتہاج بنے ہوئے تھے۔ سارا شہر جوشِ مسرت اور فرطِ عقیدت سے گہوارۂ بہار بنا ہوا تھا اور فضا تحمید و تقدیس کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ مدینہ کے حبشی غلام وفورِ مسرت میں اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے اور بچے جاءَ رَسُوْلُ اللّٰہ ـــــ جاءَ رَسُوْلُ اللّٰہ (رسول اللہ آئے ـ رسول اللہ آئے) کے نعرے لگاتے ہوئے ہر طرف

خوشی سے اچھل کود رہے تھے۔ جوشِ مسرت میں پردہ نشین خواتین بھی گھروں کی چھتوں پر نکل آئی تھیں۔ مکانوں کی بالائی منزلیں اور منڈیریں ان خواتین سے پٹی پڑی تھیں۔ دوشیزہ لڑکیاں غرفوں اور جھروکوں سے جھانک رہی تھیں۔ راہ میں انصار کا ہر قبیلہ بصد نیاز سرورِ کونینؐ کے سامنے آتا اور عرض کرتا:۔

"یا رسول اللہ ہمارا گھر حاضر ہے، جان حاضر ہے، مال حاضر ہے۔"

حضورؐ ہر قبیلہ کے احسان کا اعتراف فرماتے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

جس وقت کوکبۂ نبوی کسی کوچے میں داخل ہوتا تو دونوں طرف کے مکانات کی چھتوں پر ایستادہ پردہ نشینانِ انصار کے لبوں پر یہ ترانہ جاری ہو جاتا:۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعٍ	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا	اے ہم میں مبعوث ہونے والے
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ	آپ ایسا امر کے ساتھ آئے ہیں جس کی اطاعت فرض ہے

بنو نجار کے جوش و خروش اور مسرت و ابتہاج کی تو کوئی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ سرورِ عالمؐ انہیں ہی شرفِ میزبانی بخشیں گے اور اس طرح ان کو محبوبِ کبریا کے ہمسایہ بننے کی سعادت نصیب ہوگی۔ بنو نجار کی معصوم بچیاں دف بجا بجا کر یہ ترانہ گا رہی تھیں:۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ — ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارٍ — محمدؐ کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں

سرورِ کائنات ان لڑکیوں کے پاس سے گزرے تو متبسم ہو کر ان سے فرمایا۔

"بچیو کیا تم مجھے چاہتی ہو۔"

"انہوں نے بیک آواز کہا۔" "ہاں یا رسول اللہ"

حضورؐ نے فرمایا۔" تم بھی مجھ کو عزیز ہو۔"

سرورِ عالمؐ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے اس دن سے زیادہ مبارک اور پُر مسرت دن کوئی نہیں دیکھا جس میں رسولِ اکرمؐ رونق افروز مدینہ ہوئے۔ اس دن مدینہ کے در و دیوار طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے۔"

(مسند دارمی)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور مدینہ میں نزولِ اجلال کے واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:۔

جبکہ آمادۂ خوں ہو گئے کفارِ قریش — لاجرم سرورِ عالمؐ نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز — گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرورؐ
اک فقط حضرتِ ابو بکرؓ تھے ہمراہِ رکاب — ان کی اخلاق شعاری بھی جو منظورِ نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے — کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چونکہ سو اونٹ کا انعام تھا قاتل کے لیے — آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہی لوگوں میں سراقہ خلفِ جعشم تھے — جن کو فاروقؓ نے اک روز پہنائے تھے گہر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں — تھا جہاں عقربِ افعی کی حکومت کا اثر

بیم جاں۔ خوفِ عدو۔ ترکِ غذا۔ سختیٔ راہ
ان مصائب میں ہوئی شبِ ہجرت کی سحر

یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر

لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آکر اشعار
نغمہ ہائے "طلع البدر" سے گونج اٹھے گھر

ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے
نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر

آلِ نجار چلے شہر سے ہو کر تیار
زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر

دفعتاً کوکبۂ شاہِ رسل آ پہنچا
غل ہوا صلِ علیٰ خیرِ اناسٍ و بشر

جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن
دفعتہً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ بصر

طور پر حضرتِ موسیٰ کی صدا آتی تھی
آج اک ور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر

سب کو یہ فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
مہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرور

سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی ہیں گھر

ہاں مبارک تجھے اے خاکِ حریمِ نبوی
آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر

صَلِّ یاربِّ علیٰ خیرِ نبیٍ وَّ رسول
صَلِّ یاربِّ علیٰ افضلِ جنٍّ و بشر

شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں ورودِ مسعود کی تصویر کشی اس طرح کی ہے۔

اٹھی اک روز آواز بلند اللہ اکبر کی
سواری جانبِ یثرب بڑھی محبوبِ داور کی

ہوا چاروں طرف فصل سے یثرب میں پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

جوان و پیر مرد و زن سراپا چشم ہو بیٹھے
بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم ہو بیٹھے

جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر
سوادِ شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر

کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سُو صف بصف ہو کر
مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر
فضا میں بھر گئیں توحید کی آزاد تکبیریں
یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلوں پر تیز شمشیریں
در و دیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر
زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر
نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی
مسلماں بیبیاں گھر کی چھتوں پر جمع ہو ہو کر
نظر سے چومتی تھیں عصمتِ دامانِ پیغمبرؐ
ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب
نبی کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

یہ تو تصویر کا ایک رُخ تھا۔ دوسری طرف یثرب کے یہود و نصاریٰ اور منافقین کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ رحمتِ دو عالمؐ کے جلال سے بزمِ کفر و شرک میں بھونچال آ گیا۔ رقصِ تبانِ آذری رعشۂ خوف بن گیا۔ پیکرِ لات وہبل میں تھرتھری پڑ گئی۔ بدبخت یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف کی پیشینگوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور سرگروہِ منافقین عبداللہ بن اُبَیّ کی "شاہِ یثرب" بننے کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ حیرت ہے ان لوگوں کی حرماں نصیبی پر کہ ماہِ رسالت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ان کے درمیان جلوہ بار ہوا اور وہ پھر بھی سعادتِ ایمانی سے محروم رہے۔

سچ ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

اشتیاق و تمنّا کی بے تابیاں

کوکبۂ نبوی جوں جوں آگے بڑھتا تھا، انصار کے اشتیاق و تمنا کی بے تابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ انصار کا ہر قبیلہ اور فرد سراپا اشتیاق بنا ہوا تھا۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ رحمتِ دو عالمؐ کا شرفِ میزبانی اسے حاصل ہو۔ سب جانتے تھے کہ رحمتوں کا یہ بادشاہؐ، امن کا شہزادہ اور لطف و کرم کا یہ پیکرِ جمیلؐ جس کے گھر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازے گا، رحمت کے فرشتے اس کی دہلیز پر پہرہ دیں گے۔ اللہ کی نعمتیں اس کے گھر میں اتریں گی اور دین و دنیا اس کے ہاں مکمل ہو جائیں گے۔ اسی لیے حضورؐ کا میزبان بننے کے لیے انصارؓ میں سخت کشمکش تھی۔ رؤسائے قبائل حضرت عتبانؓ بن مالک، عباسؓ بن عبادہ، عبداللہؓ بن رواحہ، سعدؓ بن عبادہ، خارجہؓ بن زید، زیادؓ بن لبید، فروہؓ بن عمرو، سعدؓ بن ربیع، سلیطؓ بن قیس، منذرؓ بن عمرو، ابو سلیط اسیرہؓ بن ابی خارجہ نے فرداً فرداً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ

ہمارا غریب خانہ حاضر ہے۔ اس میں قدم رنجہ فرمایئے۔

گر تو بہ فرق ما نشینی ۔۔۔ نازت بکشم کہ نازنینی

سرورِ کونینؐ پر اس وقت وحی کی کیفیت طاری تھی آپ اپنے چاہنے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور پھر فرماتے۔

خَلُّوا سَبِيْلَهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ

(اس (ناقہ) کو چھوڑ دو یعنی اس کا راستہ نہ روکو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے)

حضورؐ نے اس وقت اونٹنی (قصوا) کی مہار چھوڑ رکھی تھی اور حکمِ الٰہی کے منتظر تھے۔ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جسے رحمۃ للعالمین کی میزبانی کی سعادتِ عظمٰے حاصل ہوتی ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

قصوا (ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ) چلتے چلتے بنو نجار کے محلے میں پہنچی اور اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آجکل مسجدِ نبوی کا بڑا دروازہ ہے۔ حضورؐ اس پر سے نہ اترے۔ قصوا پھر اٹھی اور تھوڑی دور چل کر واپس آئی اور اسی جگہ پر جہاں پہلے بیٹھی تھی دونوں پاؤں جما کر بیٹھ گئی۔ اس جگہ کے قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا وہ فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے اور دوڑ کر حضورؐ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس اثنا میں بنو نجار کے دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے اور ہر ایک اصرار کرنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے غریب خانے پر نزولِ اجلال فرمائیں۔ ادھر حضرت ابو ایوبؓ نے

عرض کی "یا رسول اللہ یہ اس مسکین کا گھر ہے اجازت ہو تو حضورؐ کا سامان اتار دوں۔" حضورؐ کسی کی دل شکنی کرنا نہ چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ "قرعہ ڈال لو۔" قرعہ ڈالا گیا تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام نکلا گویا فخرِ دوجہاںؐ کی میزبانی کا شرف رب العزت نے ہی ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ حضرت ابو ایوبؓ نے نہایت مسرت سے سرورِ کونینؐ کا سامان ناقہ سے اتارا اور ان کا گھر انوارِ رسالت کی ضیا باریوں سے جگمگانے لگا۔

فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاری کی قسمت کو
ابو ایوبؓ گھر میں لے گئے سامانِ رحمت کو

(حفیظ جالندھری)

ایک روایت میں ہے کہ اونٹنی کے بیٹھتے ہی حضرت ابو ایوبؓ دوڑ کر آگے بڑھے اور حضورؐ کو اہلاً و سہلاً کہا۔ حضورؐ نیچے اترے تو حضرت ابو ایوبؓ اونٹنی سے کجاوہ اتار کر فوراً اپنے مکان کے اندر لے گئے۔ دوسرے لوگوں نے آپ کو اپنے ہاں لے جانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا۔ "آدمی وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو۔" چنانچہ سب خاموش ہو گئے اور حضورؐ حضرت ابو ایوبؓ کے گھر رونق افروز ہو گئے۔ بعض دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ کائناتؐ عمداً حضرت ابو ایوبؓ کے ہاں ٹھہرے کیونکہ وہ بنو نجار کے رئیس تھے اور بنو نجار سے حضورؐ کی قرابت تھی۔ لیکن ان روایتوں میں اس بات کی تصریح نہیں کی گئی کہ بنو نجار کے کسی دوسرے رئیس کے ہاں رسولِ اکرمؐ نے کیوں قیام نہ فرمایا اور یہ سعادتِ دارین حضرت ابو ایوبؓ ہی کو کیوں نصیب ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ حکمِ الٰہی کے تحت

ہوا۔ خواہ قرعہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام نکلا ہو یا حضورؐ عمداً ان کے ہاں ٹھہرے ہوں۔ بہر صورت رضائے الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوا۔ فی الحقیقت سرورِ کونینؐ کی میزبانی کے لیے رب العزت کی طرف سے حضرت ابو ایوبؓ کا انتخاب ان کی عظمت کی دلیل ہے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا[1]

---

[1] ابن اسحاق نے کتاب المبتدا میں ایک عجیب روایت بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ دو سو سال پہلے تبع (شاہِ یمن وحضرموت) جس کا نام ابوکرب اسعد بن کلیکرب (ملک یکرب) تھا۔ مدینہ کی سرزمین سے گزرا تو اس کے ہمراہ چار سو عالم تھے وہ سب اسی جگہ رہنے پر مصر ہوئے۔ تبع نے ان کے اصرار کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ جگہ نبی آخرالزماں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہے۔ ہم یہاں اس لیے آباد ہونا چاہتے ہیں کہ شاید ہم ان کی زیارت سے مشرّف ہو جائیں۔ تبعّ نے ان کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی اور ان کے سب سے بڑے عالم کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔ اس تحریر میں یہ دو شعر تھے۔

شَهِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّهٗ　　رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِی النَّسَمِ

(میں احمدؐ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ خالقِ کائنات کے رسول ہیں)

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِهٖ　　لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَّهٗ وَابْنَ عَمٍّ

(اگر میری عمر ان کے زمانہ تک دراز کر دی جاتی تو میں ان کا وزیر اور ابن عم (یعنی مددگار) ہوتا

یہ تحریر نسل بعد نسل منتقل ہوتے ہوتے حضرت ابو ایوبؓ کے پاس پہنچی۔ کہتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ

[illegible]

سیدالبشرؐ کی الہانہ خدمت

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ ایک کمرہ نیچے اور ایک اوپر۔ حضرت ابوایوبؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ "یا رسول اللہ آپ غریب خانہ کی بالائی منزل میں قیام فرمائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہے گی اس لیے نچلی منزل ہی میرے قیام کے لیے موزوں ہے۔" چنانچہ حضورؐ کی خواہش کے مطابق حضرت ابوایوب نے مکان کی زیریں منزل خالی کردی اور خود بالاخانے میں فروکش ہوگئے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبطِ وحی و رسالت نچلی منزل میں ہیں۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے۔ کہ ایک روز بالاخانے پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابوایوبؓ اس خیال سے مضطرب ہوگئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور سرورِ عالمؐ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف کی روئی میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

سرورِ کونینؐ اگرچہ اپنی خوشی سے زیریں منزل میں مقیم تھے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی ہجرت کے وقت یہ تحریر حضرت ابوایوبؓ کے پاس بجنسہٖ موجود تھی لیکن اکثر اہلِ سیر کے نزدیک یہ روایت پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہے اور قابلِ اعتبار نہیں۔ تاہم یہاں یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ابوکرب اسعد کا زمانۂ حکومت ۴۰۰ء سے ۴۳۰ء تک تھا۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ اس نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ قوم تبع کا ذکر قرآن مجید میں بھی [illegible]

ان کی اہلیہ کو بالاخانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی۔ یہ خیال ان کے لیے سوہانِ روح تھا کہ فخرِ موجودات، خیر البشر، سیدالرسل سرورِ کون و مکاں تو تحتانی منزل میں مقیم ہوں اور ان کے ادنیٰ ترین خدام بالائی منزل میں۔

یہ روحانی اذیت ایک رات کو اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوایوبؓ سرورِ کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔" حضورؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا۔ "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہیں ہر لحظہ آپ کی بے ادبی کا اندیشہ دامنگیر رہتا ہے۔ رات کو اس اندیشہ نے شدت اختیار کر لی۔ یا رسول اللہ ہم غلاموں پر کرم فرمایئے اور بالاخانے پر تشریف لے چلیے۔ حضورؐ کے غلاموں کے لیے آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعثِ سعادت ہے۔" سرورِ کونینؐ نے ابوایوبؓ کی درخواست قبول فرمالی اور اوپر کی منزل پر منتقل ہو گئے۔ حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرورِ کائناتؐ نے چھ یا سات مہینے حضرت ابوایوب کے گھر قیام فرمایا[1]۔ اس عرصہ میں حضرت ابوایوبؓ نے جس والہانہ عقیدت سے رحمتِ دوعالمؐ کی خدمت کی وہ ان کے عشقِ رسول پر دال ہے۔ حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت ہادیٔ اکرمؐ کی

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے ساتھ اسی مکان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی فروکش رہے۔

خدمت میں حاضر پیش کرتے۔ بعض اوقات دوسرے انصار کے ہاں سے بھی کھانا آ جاتا۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا حضورؐ اسے ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت ابوایوبؓ کی عقیدت کیشی اور حُبِّ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جہاں سرورِ عالمؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے بہ خیالِ تبرک و اتباعِ رسول انہی پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول کرتے۔ ایک دفعہ کھانا جوں کا توں واپس آگیا۔ حضرت ابوایوبؓ مضطرب ہو کر رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے آج کھانا تناول نہیں فرمایا۔" حضورؐ نے فرمایا۔

"ہاں آج کھانے میں لہسن تھا اور مجھے لہسن مرغوب نہیں۔"

حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا۔ "فَاِنِّیْ اَکْرَہُ مَا کَرِھْتَ"

"جو حضور کو پسند نہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں[1]۔"

---

[1] لہسن شریعتِ اسلامیہ میں حرام نہیں ہے۔ چونکہ اس کے کھانے سے منہ میں ناخوشگوار سی بو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے رسولِ اطہرؐ طبعاً اس سے کراہت فرماتے تھے۔ یہ حضرت ابوایوبؓ کا عشق و اتباعِ رسولؐ تھا کہ جس چیز کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا انہوں نے بھی اس سے کراہت کا اظہار کیا۔

صحیح مسلم میں خود حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے کھاتے اور باقی بچا ہوا میرے پاس بھیج دیتے۔ ایک روز آپؐ نے میرے پاس (ایسا) پیالہ بھیجا (جس میں کھانا تھا) اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے کہ اس میں لہسن تھا۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا لہسن حرام

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہؓ بن سلام آغوشِ اسلام میں

ماہِ رسالتؐ کے خانۂ ابوایوبؓ میں جلوہ بار ہونے کے ابتدائی ایام میں حضرت عبداللہؓ بن سلام کے قبولِ اسلام کا اہم واقعہ پیش آیا۔ عبداللہ بن سلام یہود کے جلیل القدر عالم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ ان کا اصل نام "حصین" تھا اور وہ یہود بنی قینقاع سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے رسولِ کریمؐ کے یہ کلماتِ طیبات سُنے۔

أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔

اپنے بیگانے سب کو سلام کیا کرو اور (بھوکوں محتاجوں کو) کھانا کھلایا کرو۔ اور خونی رشتوں کو جوڑے رکھو (قطع رحمی نہ کرو) اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔

یہ ہدایت آموز کلمات سن کر حضرت عبداللہ کا دل نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی آخر الزماںؐ ہیں جن کی بعثت کی پیشگوئی صحائفِ قدیمہ میں درج ہیں۔ دوسرے دن رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چند پیچیدہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں بلکہ اس کی بُو کے سبب میں اس کو (کھانا) پسند نہیں کرتا۔" میں نے عرض کیا "تو پھر (میں بھی اس کھانے کو نہیں کھاؤں گا کیونکہ) جس چیز کو آپؐ نے ناپسند کیا ہے اس کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں (فَاِنِّیْ اَکْرَہُ مَا کَرِھْتَ)

مسائل دریافت کیے۔ حضورؐ نے ان کا اطمینان بخش جواب دیا تو عرض کی "یا رسول اللہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔" حضورؐ نے ان کے قبولِ اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کا اسلامی نام "عبداللہ" رکھا۔ اب حضرت عبداللہؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ میری قوم بڑی بدطینت اور مفتری ہے۔ انہوں نے سن لیا کہ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا ہوں تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھیں گے اس لیے میرے اسلام کی خبر کے اظہار سے پہلے ان سے دریافت کرلیں کہ ان کی میرے متعلق کیا رائے ہے۔"

حضورؐ نے یہود کے اکابر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو حضورؐ نے فرمایا "تم توریت میں نبی آخرالزماں کی نشانیاں پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ میں تمہارے سامنے دینِ حق پیش کرتا ہوں اسے قبول کرکے فلاحِ دارین حاصل کرو۔"

یہودیوں نے جواب دیا۔ "ہم نہیں جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔"

سرورِ عالمؐ نے فرمایا۔ "حصین بن سلام تمہاری قوم میں کیسے ہیں؟"

سب یہودیوں نے بیک آواز جواب دیا۔ "وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔ وہ ہمارے عالم ہیں اور عالم کے بیٹے ہیں وہ ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے فرزند ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "اگر وہ اسلام کرلیں تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے۔"

یہودی ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ "خدا نہیں آپ کی حلقہ بگوشی سے محفوظ رکھے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

اب حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ بن سلام کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ وہ کلمۂ

شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکلے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اے اعیانِ قوم خدائے واحد سے ڈرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

حضرت عبداللہ کا قبولِ اسلام یہود پر برقِ خاطف بن کر گرا وہ غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ "یہ شخص (عبداللہ بن سلام) ہم میں سب سے برا اور سب سے برے کا بیٹا ہے۔ ذلیل بن ذلیل اور جاہل بن جاہل ہے۔"

حضرت عبداللہؓ نے رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں عرض کی۔ "یارسول اللہ آپ نے یہود کی اخلاقی پستی دیکھ لی۔ مجھے ان سے اسی افترا پردازی کا اندیشہ تھا۔" غرض عبداللہ بن سلامؓ کا اسلام یہودیوں کے لیے اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن سلام کے قبولِ اسلام کے بعد عیسائیوں کے ایک بہت بڑے راہب حضرت صرمہؓ بن ابی انس بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ وہ بڑے قادر الکلام شاعر اور الٰہیات کے عالم تھے۔ قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر سو سال سے اوپر تھی۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

خانۂ ابوایوبؓ میں رونق افروز ہونے کے کچھ عرصہ بعد سرورِ کونینؐ نے مدینہ منورہ میں خانۂ خدا بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لیے حضورؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے اس افتادہ قطعۂ زمین کو منتخب فرمایا جہاں آپ کی اونٹنی آکر بیٹھی

تھی - اس زمین میں کچھ قبریں اور کھجور کے درخت تھے - انصار اس سے مربد (کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنانے کی جگہ) کا کام لیتے تھے - رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حضرت اسعدؓ بن زرارہ انصاری اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے - اس زمین کے مالک بنو نجار کے دو یتیم بچے سہلؓ اور سہیلؓ تھے جو حضرت اسعدؓ بن زرارہ (اور ایک روایت کے مطابق حضرت معاذ بن عفراؓ) کی سرپرستی میں تھے - ہادی اکرمؐ نے انصار کو بُلا کر فرمایا :-

" میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں تاکہ اس میں خانۂ خدا کی تعمیر کر سکوں "

انصارؓ نے عرض کی " یا رسول اللہ اس زمین کے مالکوں کو ہم قیمت ادا کر دیں گے اور اسے اپنی طرف سے آپ کے لیے ہبہ کرتے ہیں - اس کا صلہ ہم اللہ سے لیں گے "

حضورؐ نے انصارؓ کے جذبۂ ایثار کی تعریف فرمائی لیکن زمین کی قیمت دینے پر اصرار فرمایا اور مالکانِ زمین سہلؓ و سہیلؓ کو طلب فرمایا - دونوں سعادت مند بچوں نے عرض کی " یا رسول اللہ ہم یہ زمین حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ کی نذر کرتے ہیں "

حضورؐ نے فرمایا " اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے میں یہ زمین بلا قیمت نہیں لونگا "

ان بچوں کی والدہ کو معلوم ہوا تو اس نیک بخت خاتون نے بھی قیمت لینے سے انکار کیا -

آخر سرورِ عالمؐ نے اصحاب الرائے کے مشورہ سے اس زمین کی قیمت دس مثقال (پونے چار تولے) سونا متعین فرمائی - یہ قیمت حضورؐ کی طرف سے کس نے ادا کی اس کے متعلق تین روایتیں ہیں -

۱ - اس زمین کی قیمت حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے ادا کی (فتح الباری)

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔ (مدارج)

۳۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے اس زمین کے معاوضہ میں سہلؓ و سہیلؓ کو بنو بیاضہ میں اپنا ایک باغ دے دیا۔ (زرقانی)

اس کے بعد زمین ہموار کر کے مسجد کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ اس کے معماروں اور مزدوروں میں صحابہ کرامؓ (انصار و مہاجرین) کے ساتھ محبوب کبریا خیر البشرؐ بھی بہ نفس نفیس شامل تھے۔ سرورِ کونینؐ مزدوروں کے لباس میں پتھر اور گارا ڈھو کر لاتے اور زبانِ مبارک سے حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ انصاری کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّاخَیْرُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُہَاجِرَۃ

الٰہی کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے   پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما[1]

---

[1] بعض دوسری روایتوں میں یہ شعر اس طرح بھی درج ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ اِلَّاعَیْشُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُہَاجِرَۃ

الٰہی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے   تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے

یا:۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَۃ

فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُہَاجِرَۃ

خدایا اجر تو بس آخرت کا اجر ہے   پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

صحابہ کرامؓ بصد تضرع شبِ دو سرا سے التجائیں کرتے تھے کہ حضورؐ ہم غلاموں کے ہوتے ہوئے آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ لیکن حضورؐ متبسم ہو کر برابر کام کیے جاتے تھے۔ رحمتِ دو عالمؐ کو پسینے میں شرابور اور گرد و غبار میں اٹا ہوا دیکھ کر صحابہ کرامؓ کے دلوں پر چھریاں چل جاتی تھیں لیکن مجبور تھے۔ حضورؐ کو تعمیر مسجد میں اس طرح منہمک دیکھ کر وہ دو چند جوش سے یہ رجز پڑھتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالرَّسُوْلُ يَعْمَلُ
لَذَالِكَ فَالْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

(اگر ہم بیٹھ جائیں اور رسولِ اکرمؐ کام کرتے رہیں تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہوگی)

غرض اس طرح چند ماہ میں دنیا کی یہ مقدس ترین مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے خالی اور انتہائے سادگی کا مظہر تھی۔

کچی اینٹوں اور ناتراشیدہ پتھروں کی دیواریں۔ چوبِ خرما کے ستون اور کھجور کے پتوں کا چھپر۔ لیکن اس کو جن مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا اور جن کے سجدوں سے یہ معمور ہوئی ان کی عظمتوں کے سامنے فلک الافلاک کی رفعتیں ہیچ ہیں۔

مسجد کے ایک سرے پر اصحابِ صُفّہ کے لیے ایک مسقف چبوترہ بھی تعمیر کیا گیا۔ یہ وہ مقدس لوگ تھے۔ جن کا کوئی گھر بار نہ تھا اور جو عائلی زندگی کی بندشوں سے آزاد تھے۔

مسجد کے متصل حضورؐ نے ازواجِ مطہراتؓ کے لیے کچی اینٹوں کے دو حجرے بھی تعمیر کرائے۔ ایک اُمّ المومنین حضرت سودہؓ کے لیے اور دوسرا اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کے لیے جن سے مکہ ہی میں عقدِ نکاح ہو چکا تھا ——— جب

تک مسجد اور حجرے زیرِ تعمیر رہے سرورِ کونین حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر رونق افروز رہے۔ اس کے بعد آپ وہاں سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔ دوسری ازواجِ مطہراتؓ جوں جوں حضورؐ کے نکاح میں آئیں ان حجروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ شہنشاہِ عرب و عجمؐ کے یہ ذاتی مکان تقریباً سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چار کچی اینٹوں سے اور پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ ان کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ آدمی کھڑا ہوتا تو اس کا سر چھت سے جا لگتا۔ دروازوں پر کمبل کے پردے پڑے رہتے۔ حضورؐ کے ابتدائی زمانے سے انتہائی عروج و اقتدار کے زمانہ تک ان حجروں کی سادگی کی یہی کیفیت رہی اور کیوں نہ رہتی یہ کسی دنیاوی بادشاہ کے محلات نہیں تھے بلکہ اس ذاتِ اقدسؐ کے مکانات تھے جو اس دنیا میں محسنِ انسانیت اور رحمۃً للعالمین بن کر تشریف لائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

علامہ شبلی نعمانی نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

ہجرت کے بعد آپؐ نے پہلا کیا جو کام ۔۔۔ تعمیرِ سجدہ گاہِ خدائے انام تھا

ایک قطعۂ زمین تھا کہ اس کام کے لیے ۔۔۔ واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا

وہ قطعۂ زمین تھا یتیموں کی مِلکِ خاص ۔۔۔ ہر چند قبرگاہ و گزرگاہِ عام تھا

چاہا حضورؐ نے کہ بہ قیمت خرید لیں ۔۔۔ ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا

ایتام نے حضورؐ میں آ کر یہ عرض کی ۔۔۔ یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا

یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں حضورؐ ۔۔۔ اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضورؐ نے نہ گوارا کیا اسے ۔۔۔ منت کشی سے آپؐ کو پرہیزِ تام تھا

احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا ۔۔۔ بالکل خلافِ طبع رسولِ انامؐ تھا

بارہ ہزار سکہ رائج عطا کیے — یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی رام تھا
سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لیے — اب ان کی فکر مشغلہ صبح و شام تھا
مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی — از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا
انصار پاکؓ اور مہاجرؓ تھے جس قدر — مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک روز نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک — جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت — سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریکِ حال — یہ خود وجودِ پاکِ رسولِ انامؐ تھا
جو وجہِ آفرینش افلاک و عرش ہے — جس کا جبرئیلؑ بھی ادنٰی غلام تھا
صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ وَ اَصْحَابِہِ الْکِرَام — اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا کاشانۂ اقدس تقریباً سات ماہ تک سرورِ کونینؐ کے انوارِ رسالت سے جگمگاتا رہا۔ اس میزبان کی خوش بختی اور سعادت کے کیا کہنے کہ ارض و سما کی برگزیدہ اور مقدس ترین ہستیؐ نے جس کے گھر کو کئی مہینے تک رشکِ طور بنائے رکھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خاندانِ ابو ایوبؓ کا ایک اور شرف

یوں تو حضرت ابو ایوبؓ کے خاندان بنو نجار کو ہادیٔ اکرمؐ انصار کا بہترین خاندان جانتے تھے [1] اور اسی خاندان کے ایک فرد کو حضورؐ نے اپنی میزبانی کا شرفِ عظیم

[1] رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ انصار کے بہترین گھرانے بنو نجار کے ہیں اور ان کے بعد عبدالاشہل کے گھرانے ہیں۔

بخشا لیکن مسجد کی تعمیر کے دوران میں سرورِ عالمؐ نے بنو نجار کو ایک ایسا لازوال شرف عطا کیا جس نے انھیں بجا طور پر

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کا مصداق بنا دیا۔ یہ شرفِ عظیم، رحمۃٌ للعالمینؐ کا خود بنو نجّار کا نقیب بننا تھا وہ اس طرح کہ ان دنوں بنو نجّار کے نقیب حضرت اسعدؓ بن زرارہ انصاری نے وفات پائی تو بنو نجّار کے لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتجی ہوئے کہ اسعدؓ کی جگہ کسی اور کو نقیب مقرر فرمایا جائے۔ سرورِ کونینؐ نے فرمایا:۔

"تم لوگ میرے ماموں ہو۔ اس لیے اب بنو نجّار کا نقیب میں خود ہوں"

یہ سن کر بنو نجّار کے لوگ فرطِ مسرّت سے بیخود ہو گئے اور اس سعادتِ عظیم کو ہمیشہ کے لیے انہوں نے اپنا سرمایۂ افتخار بنا لیا۔

حضرت ابو ایوبؓ کے حق میں دعائے حفظ

ہجرت کے بعد مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے فرزندانِ توحید کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ حضورؐ کو ان کی سازشوں کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ رات کو ہتھیار باندھ کر سویا کریں اور کچھ آدمی جاگ کر پہرہ دیا کریں تاکہ قریشِ مکہ اور دوسرے دشمنوں کے ناگہانی حملہ کا تدارک کیا جا سکے۔ ایک موقعہ پر حضرت ابو ایوبؓ نے رات بھر پہرہ دیا۔ سرورِ عالمؐ نے ان کے حق میں دعا مانگی۔

"اے ابو ایوب خدا تمہیں اپنے حفظ و امن میں رکھے کہ تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی" یہ حضورؐ کی دعا ہی کا اثر تھا کہ حضرت ابو ایوبؓ زندگی بھر مصائب و آلام

سے محفوظ رہے اور وفات کے بعد بھی صدیوں تک نصاریٰ ان کی قبر کی حفاظت اور نگرانی کرتے رہے حتیٰ کہ قسطنطنیہ جہاں حضرت ابوایوبؓ کی قبر ہے مسلمانوں کے زیرِنگیں آگیا۔ آج بھی ترکی کی حکومت ان کی قبر کی نگراں ہے۔



اخوّت کی جہانگیری محبّت کی فراوانی

مؤاخاۃ

"مؤاخاۃ" تاریخِ اسلام کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی "مؤاخاۃ" کے بعد چشمِ فلک نے ایثار اور اخلاص کے ایسے تحیر خیز مناظر دیکھے، جو اس سے قبل انسانیت کی ساری تاریخ میں عدیم المثال تھے۔

مہاجرینِ کرامؓ سالہا سال زہرہ گداز مصائب و نوائب جھیلنے کے بعد اپنے اہل و عیال۔ گھر بار اور مال و جائداد چھوڑ کر جب مدینہ پہنچے تو ان کے پاس خدا کے نام کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن انصارِ مدینہ نے جس محبّت اور خلوص سے ان غریب الوطنوں کی مہمانداری کی۔ اس کے ذکرِ جمیل سے تاریخِ اسلام کے اوراق ہمیشہ مزیّن رہیں گے۔ انصار فطرتاً بڑے شریف، سادہ، بامروّت اور وسیع القلب لوگ تھے۔ لیکن ان کے صدیوں پرانے باہمی نفاق و عداوت نے ان کے خصائلِ شریفہ کو

قریب قریب غارت کر دیا تھا۔ اسلام کا ظہور انصار کے لیے حقیقی معنوں میں رحمتِ کامل ثابت ہوا ورنہ کچھ مدت اور یہی حالت رہتی تو اوس و خزرج اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے کہ آج ان کا نام جاننے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اسلام نے سب سے پہلے انصار کے باہمی نفاق کو ختم کیا اور جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو دین کے مستحکم رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح انصار کو ہولناک تباہی سے بچا لیا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَانًا ج وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْہَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَہْتَدُوْنَ ○ (پ آل عمران)

"اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ مت پیدا کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں (باہمی) الفت پیدا کر دی۔ سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ حالانکہ تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے شاید تم راہ پاؤ۔"

حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا انصارؓ نے کما حقہ، شکر ادا کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو راہِ حق میں وقف کر دیا اور اپنے ایثار خلوص اور فداکاریوں کے ایسے انمٹ نقوش صفحاتِ تاریخ پر ثبت کر دیئے کہ تاریخِ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہجرت کے بعد ابتدائی پانچ مہینوں میں انصارؓ کے گھر مہاجرین کے لیے مہمان خانۂ عام تھے۔ لیکن یہ ایک بے ترتیب سی زندگی تھی اس لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک سہل مگر مستقل اور منظم طریق کار کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپؐ نے حضرت انسؓ بن مالک[1] کے

---

[1] خادمِ رسول اللہ ابوحمزہ انسؓ بن مالک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ جس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے حضرت انسؓ بھی اسی خاندان یعنی بنو نجار کے ایک فرزندِ جلیل تھے۔ ہجرتِ نبوی سے دس سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ یا نو سال کی عمر میں دینِ حق قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجلسِ مواخاۃ انھیں کے مکان میں منعقد ہوئی۔ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ ان کے سوتیلے باپ حضرت ابوطلحہؓ اور والدہ امِ سُلَیمؓ نے حضرت انسؓ کو سرورِ کائناتؐ کی غلامی میں دے دیا تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کو دس برس تک خلوت وجلوت میں سرورِ عالمؐ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ خدمت ایسی والہانہ تھی کہ لوگ انھیں خاندانِ نبوت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ حضرت انسؓ تمام اہم غزواتِ نبوی میں شریک ہوئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انھیں بحرین کا عامل مقرر کیا۔ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں دوسرے اصحاب کے ساتھ فقہ کی تعلیم کے لیے بصرہ روانہ کیا۔ حضرت انسؓ نے بصرہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور اسی شہر میں ۹۳ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ برس کے قریب تھی۔ حضرت انسؓ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر مال اور اولاد سے نوازا تھا۔ وفات کے وقت ان کے ۱۰۰ سے زائد بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں موجود تھے۔ نہایت خوبصورت خوش لباس اور خوش خوراک تھے۔ بے حد شجاع، نڈر، حق گو، اور بے باک ہونے کے ساتھ منکسر المزاج بھی تھے۔ علمِ حدیث اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ان سے ۱۲۸۶ احادیث مروی ہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع کیا۔ حاضرین کی تعداد ایک روایت کے مطابق نوّے اور دوسری روایت کے مطابق نو سو تھی۔ ان میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ سرورِ عالم ؐ نے مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "یہ تمہارے بھائی ہیں۔

اس کے بعد آپ ؐ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور فرماتے۔ "آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔" (ایک دوسری روایت کے مطابق حضور ؐ بیک وقت چار آدمیوں کو بلاتے ان میں سے دو مہاجر ہوتے اور دو انصار)

اس مبارک مجلس میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ بھی شامل تھے۔ ان کا رشتۂ مواخاۃ مدینہ میں اسلام کے معلمِ اوّل حضرت مصعب ؓ بن عمیر سے قائم کیا گیا۔ سرورِ کونین ؐ نے اپنا رشتۂ مواخاۃ اپنے مہاجر بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قائم کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضور ؐ نے اسی طرح اپنے عمِ محترم حضرت حمزہ ؓ کا رشتۂ مواخاۃ ان کے مہاجر بھائی حضرت زید ؓ بن حارثہ کے ساتھ قائم کیا۔[1] البتہ دوسرے تمام مہاجرین کو انصار کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ میں منسلک فرمایا۔ جن بزرگوں میں رشتۂ مواخاۃ قائم ہوا ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وفات کے وقت ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی ان میں سے خواجہ حسن بصری ؒ، قتادہ ؒ، محمد بن سیرین ؒ، ربیعۃ الرائے ؒ اور سعید بن جبیر ؒ آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

[1] امام ابنِ تیمیہ اور ابن القیم کا موقف یہ ہے کہ مواخاۃ میں کسی مہاجر کو مہاجر کا بھائی نہیں بنایا گیا۔ اس لیے ایسی روایات ان کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن دوسرے مؤرخین ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں۔

مہاجرین رض	انصار رض
حضرت ابوبکر صدیق رض	حضرت خارجہ رض بن زید (عقبی بدری)
حضرت عمر فاروق رض	حضرت عتبان رض بن مالک (بدری)
حضرت عثمان ذوالنورین رض	حضرت اوس رض بن ثابت (بدری)
حضرت جعفر رض بن ابی طالب	حضرت معاذ رض بن جبل (عقبی بدری)
حضرت سلمان فارسی رض	حکیم الامت حضرت ابوالدرداء عویمر رض بن ثعلبہ رض
حضرت بلال حبشی رض	حضرت ابورویحہ عبداللہ رض بن عبدالرحمن خثعمی
حضرت ابوذر غفاری رض	حضرت منذر رض بن عمرو
حضرت زبیر رض بن العوام	حضرت سلمہ رض بن سلامہ (بن وقش) (عقبی)
حضرت سعید رض بن زید	حضرت ابی رض بن کعب (عقبی بدری)
حضرت عبدالرحمن رض بن عوف	حضرت سعد رض بن ربیع (عقبی بدری)
حضرت عمار رض بن یاسر	حضرت حذیفہ رض بن الیمان
حضرت طلحہ رض بن عبیداللہ	حضرت کعب رض بن مالک (عقبی)
حضرت ابوحذیفہ رض بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عباد رض بن بشر بن وقش
حضرت حاطب رض بن ابی بلتعہ	حضرت عویم رض بن ساعدہ
حضرت مصعب رض بن عمیر	حضرت ابوایوب انصاری رض (عقبی بدری)
حضرت ابوعبیدہ رض بن الجراح	حضرت سعد رض بن معاذ (بدری) لہ

لہ یہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کی روایت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رض کا رشتہ مواخاۃ حضرت ابوطلحہ انصاری رض سے قائم ہوا۔

رشتۂ مؤاخاۃ کی حکمت

رشتۂ مؤاخاۃ کا قیام محض ایک ہنگامی ضرورت کے تابع نہ تھا۔ بلکہ اس کے اندر خاص حکمت اور مصلحت تھی۔ ایک تو یہ کہ مہاجرین کے دل سے غریب الوطنی کا احساس جاتا رہے۔ دوسرے یہ کہ مہاجرین جو ابتلاء و مصائب کی بھٹی میں پڑ کر کندن بن چکے تھے اور جن کی تربیت و اصلاح سرورِ عالمؐ نے خود فرمائی تھی، اپنے نومسلم انصار بھائیوں کی تربیت کر سکیں۔ تاکہ وہ بھی ہادیٔ اکرمؐ کے حقیقی معنوں میں مزاج شناس بن جائیں۔ چنانچہ رشتۂ مؤاخاۃ قائم کرتے وقت حضورؐ نے دونوں بھائیوں کے مزاج اور رجحانِ طبع کا خاص خیال رکھا۔ یہ شانِ نبوت ہی کا کمال تھا کہ حضورؐ نے نہایت قلیل عرصہ میں مہاجرین اور انصار کی کثیر تعداد کی استعداد کا کامل اندازہ کر لیا تھا۔ چند مواخاتی بھائیوں کے اوصاف ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت ابو ایوبؓ انصاری

اپنے خاندان میں نہایت آسودہ حال رئیس تھے۔ انصار کے سابقون اولون میں تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد اپنے خاندان کے معلم بن گئے۔ ہادیٔ اکرمؐ کی میزبانی کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی اور راہِ حق میں کسی موقع پر بھی اپنی جان و مال پیش کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت مصعبؓ بن عمیر حجمی قریش کے ایک آسودہ حال خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ مہاجرین کے سابقون اولون میں تھے۔ سرورِ کونینؐ نے انھیں مدینہ میں اسلام

کا معلم اول مقرر فرمایا تھا۔ رحمتِ عالم کے عاشق زار تھے۔ غزوۂ بدر اور احد میں نہایت جوش سے شریک ہوئے اور مؤخر الذکر غزوہ میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

امین الامۃ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح

آپ کے اسمِ گرامی اور رتبۂ عظیم سے ایک دنیا واقف ہے۔ راہِ حق میں پدری اور فرزندی کا خونی رشتہ بھی ان کی نگاہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں انہوں نے اپنے کافر باپ کی گردن اڑا دی تھی۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت سعدؓ بن معاذ "اوس" کے سردار تھے اور یہودِ بنو قریظہ کے حلیف تھے لیکن جب بنو قریظہ نے فرزندانِ اسلام سے غداری کی تو حضرت سعدؓ بن معاذ نے بلا تامل ان کی گردنیں اڑا دینے کا مشورہ دیا حالانکہ عرب میں حلیفوں کا رشتہ خونی رشتوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔[1]

حضرت ابوحذیفہؓ

قریش کے رئیسِ اعظم عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ اسی نسبت سے ان کو حضرت عبادؓ بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو عبد الاشہل کے رئیس تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

اپنے جوشِ ایمان اور فدا کاریوں کی بدولت مہاجرین میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کو تجارت سے دلچسپی تھی۔ ایک وقت آیا کہ ان کا سامانِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر مدینہ منورہ پہنچتا تھا۔ ان کے مواخاتی بھائی سعدؓ بن ربیع بھی

---

[1] اگر حضرت ابوعبیدہؓ کے مواخاتی بھائی حضرت ابوطلحہؓ کو تسلیم کیا جائے تو وہ بھی بہت اونچے درجے کے صحابی تھے۔ ساری عمر رسول اکرمؐ کی اطاعت میں گزاری اور تمام غزواتِ نبوی میں شریک ہوئے۔

دینِ حق کے ایک جان نثار سپاہی تھے اور نہ صرف دولتِ ایثار و اخلاص سے مالا مال تھے بلکہ تجارت کی بدولت دنیوی تمول میں بھی بڑے اونچے درجے پر تھے۔ علیٰ ہذالقیاس تمام مواخاتی بھائی کسی نہ کسی حد تک ہم مذاق و ہم مشرب تھے۔

انصار کا فقید المثال ایثار و اخلاص

مؤاخاۃ سے پہلے بھی انصار نے مہاجرین کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کر رکھے تھے لیکن مواخاۃ کے بعد تو انہوں نے اپنے مواخاتی بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا۔ انصار کے بے مثل ایثار اور اخلاص کو دیکھ کر ہفت افلاک کی عظمتیں ان پر نثار ہو گئیں اور کائناتِ ارضی و سماوی کے ذرے ذرے نے ان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔

عقدِ مواخاۃ کے بعد انصار اپنے مواخاتی بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال و متاع اور جائداد غرض گھر کی ایک ایک چیز شمار کر کے آدھی آدھی ان کو دے دی۔ اس ملکوتی جذبہ کی انتہا یہ تھی کہ حضرت سعدؓ بن ربیع مال و جائداد کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا۔ "بھائی میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو آپ پسند کریں میں اسے طلاق دے دوں گا۔ آپ اس سے نکاح کر لیجیے۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے صدقِ دل سے حضرت سعدؓ بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور ان کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "بھائی خدا آپ کے مال و دولت اور اہل و عیال میں برکت دے مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کاروبارِ تجارت کے لیے مجھے بازار تک پہنچا دو۔"

حضرت سعدؓ بن ربیع نے نہایت خوشدلی سے کاروبارِ تجارت میں حضرت عبدالرحمنؓ کی رہنمائی اور مدد کی۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ بھی اپنی ہمت اور دیانت کی بدولت حضرت سعدؓ بن ربیع کی طرح امیر الامرا بن گئے۔

انصار نے اپنے نصف نخلستان اور زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کیں تو انہوں نے فنِ باغبانی و زراعت سے ناآشنا ہونے کے باعث ان کے لینے میں عذر کیا۔ انصار کا جوشِ ایثار ملاحظہ ہو انہوں نے کہا کہ یہ نخلستان اور زمینیں ہم آپ کو ضرور دیں گے۔ ان میں کھیتی باڑی ہم خود کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیا کریں گے۔ مہاجرین نے احسان مندی کے ساتھ اپنے انصار بھائیوں کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ جنگِ خیبر تک مہاجرین ان نخلستانوں سے متمتع ہوتے رہے۔ فتح خیبر کے بعد یہ نخلستان انہوں نے شکریہ کے ساتھ انصار کو واپس کر دیئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مؤاخاتی رشتہ سگے بھائیوں جیسا رشتہ بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی انصاری سفرِ آخرت اختیار کرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے ترکہ کا وارث ہوتا اور مرحوم کے قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد مہاجرین کی مالی حالت درست ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

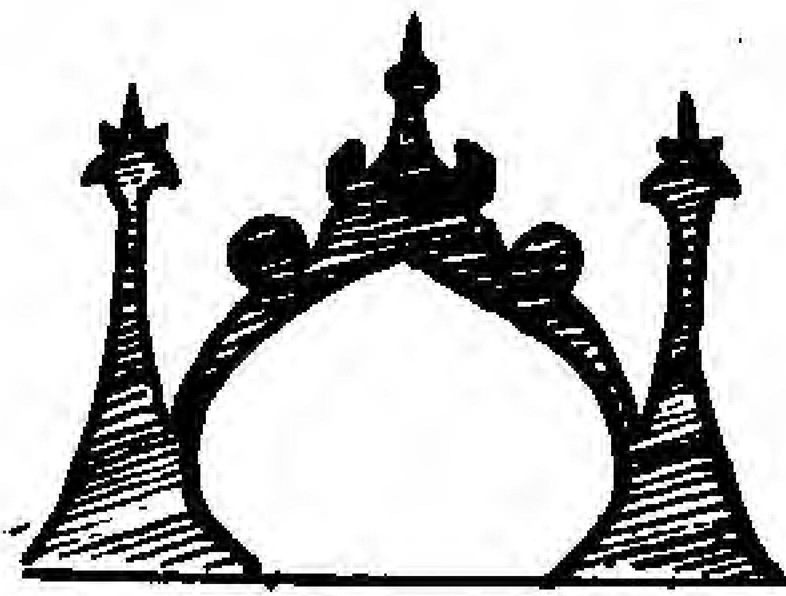
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (انفال) قرابت والے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

چنانچہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں انصار و مہاجرین کا باہمی توارث منسوخ کر دیا گیا اور صرف خویش و اقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہو گیا۔ انصار نے اپنا ایثار و اخلاص اپنے مواخاتی بھائیوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ ہر ضرورت کے

موقع پر انہوں نے راہِ حق میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر قربانیاں پیش کیں حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری نے اپنے کئی مکانات سرورِ کائناتؐ کی نذر کر دیئے تھے اسی طرح اصحابِ صُفّہؓ کی کفالت انصار نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ جہاد کا موقع آتا تو اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اسلام کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ غرض انصار کے جذبۂ ایثار اور جوشِ جہاد کے واقعات قیامت تک شمس و قمر کی طرح روشن رہیں گے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ان زندۂ جاوید ہستیوں کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال رکوع ۱۰)

ترجمہ :۔ اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔



حضرت ابو ایوبؓ کے مواخاتی بھائی

○ حضرت مُصعَبؓ بن عمیرؓ

پاکباز نوجوان

عمیر بن ہاشم کے فرزند مصعبؓ ایک جوانِ رعنا تھے۔ مکہ میں ان جیسا خوبرو اور خوش پوش نوجوان کوئی نہیں تھا۔ والدین کو اللہ تعالیٰ نے تمول اور آسودہ حالی کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے اپنے فرزند کو بڑے نازو نعم سے پالا۔ مصعبؓ اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمی جوڑے پہنتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے۔ ان کے ایک جوڑے کی قیمت دو دو سو درہم تک ہوتی تھی جو اس زمانے میں ایک خطیر رقم متصور ہوتی تھی۔ ان کے پاؤں میں زری حضرمی جوتا ہوتا تھا۔ جسے غریب یا متوسط طبقے کا کوئی فرد خریدنے کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ اس جوانِ رعنا کی صورت اور پوشاک ہی عمدہ نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کی سیرت اور اخلاق بھی نہایت پاکیزہ تھے۔

جب سرورِ کائنات ؐ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مصعبؓ کے پاک و صاف دل اور دماغ نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ پرستارانِ حق ان دنوں بڑے پُرصعوبت دَور سے گزر رہے تھے۔ مشرکین نے اپنے ظلم و ستم سے توحید کے شیدائیوں کے لیے مکّہ کی سرزمین تنگ کر دی تھی۔ حضورؐ اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ اسی پُرآشوب زمانے میں حضرت مصعبؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے حضورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ شروع شروع میں انہوں نے اپنا اسلام گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنی مشفق ماں کو جو ان سے والہانہ محبت کرتی تھی آزردہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ اپنی ماں کی شفقت اور ممتا کی بدولت اس سے اتنی مالی مدد حاصل کر لیتے تھے، جس سے وہ اپنے مظلوم دینی بھائیوں کی دستگیری کر سکتے تھے۔ لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ ایک دن عثمان بن طلحہ (کلید بردارِ کعبہ تھے) نے انہیں ربِ واحد کی عبادت کرتے دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً ان کے والدین کو اطلاع دی۔ وہ غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے، بیٹے سے ان کی بے پناہ محبت بے پناہ نفرت میں تبدیل ہو گئی اور انہوں نے مصعبؓ کو باندھ کر قیدِ تنہائی میں ڈال دیا۔ دینِ حق سے منہ موڑ کر وہ پھر والدین کی محبتوں اور شفقتوں کا مرجع بن سکتے تھے لیکن بادۂ توحید نے انہیں کچھ ایسا مست کر دیا تھا کہ عیش و راحت سے محرومی اور قید و بند کی مصیبتیں برداشت کریں لیکن دینِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔

کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ادھر کفّار کا معاملہ بھی مسلمانوں سے شدید تر ہوتا گیا حتیٰ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت

مصعبؓ ایک دن موقع پاکر گھر سے بھاگ نکلے اور جو لوگ حبش جا رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ ایک مدت تک غریب الوطنی کی پر صعوبت زندگی بسر کی پھر واپس مکہ تشریف لے آئے اور اپنے آقا و مولا کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہجرت کے مصائب نے ان کی رعنائی اور خوش پوشی کو خواب و خیال بنا دیا تھا۔ بوسیدہ اور موٹے جھوٹے کپڑے جن میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے، ان کے زیب بدن تھے جسم کی نرم و نازک کھال موٹی اور کھردری ہو گئی تھی۔ چہرہ اتر گیا تھا۔ رنگ برگِ خزاں رسیدہ کی طرح پیلا پڑ گیا تھا۔ لیکن سینے میں وہی قلبِ مومن دھڑک رہا تھا جس نے اپنے آقاؐ کی خدمت اور زہد و فقر کی زندگی کو عیش و تنعم کی ہزار زندگیوں پر ترجیح دی تھی۔ ایک دن حضرت مصعبؓ دربارِ رسالت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ ان کے پاس ستر پوشی کے لیے صرف ایک بوسیدہ چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اور ایک جگہ اس پر کھال کا پیوند لگا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں۔ سرورِ کونینؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:۔

> "میں نے جب اس نوجوان کو دیکھا تھا تو اس وقت مکہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ ناز و نعمت کا پروردہ اور خوشحال نہیں تھا۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت پر اس نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے۔"

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے حضورؐ کی صحبتِ اطہر سے خوب خوب فیض اٹھایا اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالمِ دین اور فقیہ سمجھے جانے لگے۔ ان دنوں انصارِ مدینہ کے ایک طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ان کے پاس ایک ایسا شخص بھیجا جائے جو ان کو قرآن کی تعلیم دے سکے اور دین کو اچھی طرح

سمجھا سکے۔ سرورِ کائنات ؐ کی نگاہِ انتخاب اس کام کے لیے حضرت مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور یوں وہ اسلام کے پہلے داعی بن کر مدینہ تشریف لے گئے۔

الوداع اے ارضِ مکہ الوداع

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے مدینہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نہایت احسن طریقہ سے نباہا۔ وہ علم کے بحرِ زخار اور حلم و انکسار میں یکتا تھے۔ ان کی شیریں مقالی اور بلند اخلاق نے چپکے چپکے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ مدینہ میں ان کا معمول تھا کہ ادھر ادھر آتے جاتے وقت کندھے پر کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لٹکا لیتے جو آگے کی طرف سے کیکر کے کانٹوں سے اٹکا ہوتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگوں کی توجہ اور التفات کا مرکز بن گئے اور انصارِ مدینہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اگلے سال ۱۳ نبوت میں دینِ حق کا یہ کامیاب داعی ۷۳ مردوں اور دو عورتوں کو ساتھ لے کر حج کے موقع پر مکہ پہنچا۔ حضرت مصعبؓ کو نہ اپنا گھر یاد آیا اور نہ والدین۔ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچے اور اپنے قیامِ مدینہ کے تمام حالات و واقعات کی تفصیل سنائی۔ حضورؐ سن کر بہت مسرور ہوئے۔ حضرت مصعبؓ کے پاک نفس ہمراہی ان کی تبلیغ سے اتنے متاثر تھے کہ وہ جلد از جلد حضورؐ کے شربتِ دیدار سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے۔ لیکن سارا مکہ علمبردارانِ حق کا جانی دشمن بنا ہوا تھا۔ احتیاط لازم تھی۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت عقبہ ثانیہ سے مشرف ہوئے۔ حضرت مصعبؓ کی ماں کو جب بیٹے کے آنے کی خبر معلوم ہوئی

تو اس نے انھیں بُلا بھیجا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے انھیں بعد لعنت ملامت کی اور رو رو کر ان سے کہا کہ اس نئے دین کو چھوڑ دو تیرے لیے میری آغوشِ محبت وا ہونے کو بیقرار ہے۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا" ماں میں نے خدا کے پسندیدہ دین کو برضاؤ رغبت قبول کیا ہے اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔"

اب ماں دھمکیوں پر اتر آئی اور کہا کہ تمہارا علاج وہی ہے جو تمہارے حبش جانے سے پہلے کیا گیا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے بھی اب تیور بدلے۔ بولے:۔

" ماں کیا تو مجھے زبردستی میرے دین سے پھیر سکتی ہے۔ یاد رکھ اگر اب کسی نے مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو میں اسے قتل کر دونگا۔"

اب ان کی ماں بے بس ہو کر بے تحاشا رونے لگی۔ حضرت مصعبؓ نے اسے نہایت نرمی سے سمجھایا۔" ماں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔"

لیکن کفر و شرک ماں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس نے کہا۔ کواکبِ درخشندہ کی قسم میں ہرگز تیرا دین قبول نہ کروں گی جا میری آنکھوں سے دور ہو جا۔"

حضرت مصعبؓ بن عمیر نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس آ گئے اور تین ماہ حضورؐ کی رفاقت ہی میں بسر کیے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے بارہ دن قبل انھوں نے حضورؐ کے ایما پر ارضِ مکہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

شہادت

سلسہ ہجری میں غزوۂ بدر میں شریک تین سو تیرہ نفوسِ قدسی میں حضرت مصعبؓ بھی

شامل تھے۔ جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا عَلَم ان کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے لڑائی میں جانبازی کا حق ادا کر دیا۔

سنہ ۳ ہجری میں جنگِ اُحد میں بھی حضورؐ نے علمبرداری کا شرف انھیں عطا کیا۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور رسول اللہ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تو اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔

ایک گروہ نے کہا "رسول اللہ کے بعد لڑنے سے کیا حاصل ؟ اور یہ کہہ کر مدینہ کی طرف چل دیا۔

دوسرے گروہ نے کہا "حضورؐ کے بعد جینے سے کیا حاصل ؟ اور یہ کہہ کر حصولِ شہادت کی خاطر مردانہ وار لشکرِ کفّار میں گھس گیا۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو حضورؐ کے اردگرد حصار بنا کر آپؐ کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ صرف چودہ نفوس پر مشتمل تھا۔

اُن ثابت قدم مجاہدین میں جنہوں نے رسول اللہ کی شہادت کی خبر سنی تھی، حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا۔

"میں رسول اللہ کا عَلَم سرنگوں نہیں ہونے دونگا"

یہ کہہ کر ایک ہاتھ میں شمشیرِ برہنہ اور دوسرے میں عَلَم لیے کفّار پر ٹوٹ پڑے۔ اس حالت میں مشرکین کے مشہور شہسوار ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور داہنا ہاتھ شہید کر ڈالا۔ حضرت مصعبؓ نے فوراً بائیں ہاتھ میں علم تھام لیا۔ ابن قمیہ نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ انہوں نے کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم کو سینے سے چمٹا لیا گویا تہیہ کیے ہوئے تھے کہ جب تک سانس میں سانس ہے علمِ اسلام کو سرنگوں

نہ ہونے دیں گے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران رکوع ۱۵)

ترجمہ:۔ "اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔"

اس آیت کے پڑھنے سے ان کا مقصد بددل مسلمانوں کے حوصلے بندھانا تھا۔ جو یہ سن کر جی ہار بیٹھے تھے کہ رسول اللہ شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کو بھی رسول اللہ کی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔ لیکن ان کا علم دین صحبتِ نبوی کے فیض سے بہت وسیع ہو گیا تھا اسی لیے بے اختیار ان کی زبان پر مذکورہ آیتِ مبارکہ جاری ہو گئی کہ لوگو اگر محمدؐ رسول اللہ فوت ہو گئے تو ان سے پہلے بھی تو رسول فوت ہوتے رہے ہیں۔ تم اپنے اللہ کے لیے لڑو۔

بدبخت ابن قمیئہ نے اب جھنجھلا کر ان پر نیزے کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی انی ٹوٹ کر مصعبؓ کے علم و عشق سے معمور مقدس سینہ میں رہ گئی اور وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ گرتے وقت ان کے بھائی ابوالرومؓ بن عمیر نے علم سنبھال لیا اور لڑائی ختم ہونے تک علمِ اسلام کو تھامے ہوئے حقِ شجاعت ادا کرتے رہے۔ جنگ کے بعد اس علم کو سرنگوں کیے بغیر مدینہ لائے۔

جب قریش میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے اور مسلمان اپنے شہداء کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مکہ کے جوانِ رعنا مصعبؓ بن عمیر چہرہ کے بل گرے ہوئے خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ حضورؐ نے جب ان کی لاش دیکھی تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ

مِّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (احزاب آیت ۲۳)

"مومنین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ بعض ان میں اپنی مدت پوری کر چکے اور بعض ابھی انتظار کر رہے ہیں اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر تبدل نہیں کیا۔" [1]

پھر فرمایا:-

"میں نے مکہ میں تمہارے جیسا حسین اور خوش لباس اور کوئی نہ دیکھا تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہیدوں میں ہو گے۔"

پھر ان کی تکفین کا حکم دیا۔ لیکن حضرت مصعبؓ کی چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں مستور کیے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ یہ آیت ان کے چچا حضرت انسؓ بن نضر کے بارے نازل ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ بن نضر کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ خاندان بنو نجار سے تھے اور رشتہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلمٰی کے بھتیجے ہوتے تھے۔ وہ بنو نجار کے رؤسا میں سے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے اس کا دلی صدمہ تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ "یا رسول اللہ افسوس کہ میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے محروم رہ گیا اگر اللہ نے مجھے مہلت دی تو دنیا دیکھے گی کہ آئندہ میں کیا کرتا ہوں۔"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالآخر حضورؐ نے فرمایا کہ سر چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپا کر اس شہیدِ حق کو سپردِ خاک کر دو۔ صحابہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور یوں وہ پیکرِ صدق و صفا دنیائے ظاہر بین کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شوال ۳ھ میں غزوۂ احد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضورؐ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں میں سراسیمگی پھیلی تو حضرت انسؓ آگے بڑھے، راستے میں حضرت سعدؓ بن معاذ سے ملاقات ہوئی تو کہا۔ "کہاں جاتے ہو۔ خدا کی قسم مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔" یہ کہہ کر تلوار ہاتھ میں لیے کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور زخم پہ زخم کھاتے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک زندگی نے ساتھ دیا۔ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا اور لاش پہچانی نہ جاتی تھی۔ ان کی بہن رُبیعؓ بنتِ نضر نے ہاتھ کی انگلی سے انہیں پہچانا۔ جسم پر تیر نیزے اور تلوار کے اسّی زخم تھے۔

ان کے حقیقی بھتیجے حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری پھوپھی رُبیعؓ بنتِ نضر کے ہاتھ سے ایک انصاری لڑکی کا دانت ٹوٹ گیا اس کے لواحقین نے قصاص کا دعویٰ کیا اور حضورؐ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ انسؓ بن نضر کو خبر ملی تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ خدا کی قسم رُبیعؓ کا دانت نہ توڑا جائے گا۔" حضورؐ نے فرمایا "اللہ کا یہی حکم ہے۔" خدا کا کرنا، لڑکی کے ورثا دیت لینے پر راضی ہو گئے اور رُبیعؓ کا دانت بچ گیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب قسم کھاتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

تین سو تیرہ (۳۱۳) میں سے ایک

راہِ حق کے تین سو تیرہ سرفروش

حضرت ابو ایوب انصاریؓ ان تین سو تیرہ نفوسِ قدسی میں سے ایک ہیں جو ہجرت کے بعد کفر و اسلام کے معرکۂ اول "جنگِ بدر" میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود محض اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ "اصحابِ بدر" کی تعداد کی نسبت اربابِ سیر میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ تعداد ۳۰۶ اور بعض کے نزدیک ۳۱۴ یا ۳۱۷ تھی۔ لیکن اکثریت کے نزدیک "اصحاب بدر" تین سو تیرہ نفوسِ قدسی پر مشتمل تھے۔ جن میں سے ۳۰۵ میدانِ رزم میں شریک تھے اور آٹھ نے رسولِ اکرمؐ کے ارشاد کی تعمیل میں میدانِ رزم سے باہر رہ کر دوسرے کارہائے مفوضہ انجام دیئے۔ اصحابِ بدرؓ کی تعداد تین سو تیرہ سے کچھ کم ہو یا زیادہ بہرصورت حضرت ابوایوب انصاریؓ کا جنگِ بدر میں شرکت کرنا متفق علیہ ہے۔

بدری صحابہ کرامؓ کو تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت اور درجہ حاصل ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے متعدد مواقع پر اصحابِ بدر کی فضیلت بیان فرمائی اور ہمیشہ ان کو اعزاز واکرام سے نوازا۔ ایک دفعہ حضورؐ مسجدِ نبوی میں صحابہ کرامؓ کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ مجلسِ اقدس میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اتنے میں کچھ بدری صحابہ وہاں آ گئے اور بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ انھیں کھڑا دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور ان اصحاب سے جو جنگِ بدر میں شریک نہیں تھے مخاطب ہو کر فرمایا: "تم اپنے بدری بھائیوں کے لیے جگہ خالی کر دو۔" اس سے اصحابِ بدر کی فضیلت اور قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سرورِ کونینؐ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں میں اصحابِ بدر کی فضیلت ہمیشہ مسلم رہی۔ فاروقِ اعظمؓ نے عراق اور شام کی فتوحات کے بعد جب لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو امہات المومنینؓ اور حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب[1] کے بعد اصحابِ بدرؓ کو سب سے مقدم رکھا البتہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے روزینے (چار یا پانچ ہزار درہم فی کس) ان کے بدری نہ ہونے کے باوجود قرابتِ رسول کی وجہ سے اصحابِ بدر کے برابر مقرر کیے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے دوسرے فضائل بھی یوں تو کچھ کم نہیں لیکن

---

[1] حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب سرورِ عالمؐ کی پھوپھی تھیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ ان کے حقیقی بھائی تھے اور حواریٔ رسولؐ حضرت زبیر بن العوامؓ ان کے فرزند تھے۔ صحابیات میں ان کا بڑا درجہ ہے

"اصحابِ بدر" میں ان کی شرکت خاص شرف و امتیاز کی حامل ہے۔

جنگِ بدر کی اہمیّت

جنگِ بدر جس میں شرکت کی بدولت "اصحابِ بدر" کو عظیم فضیلتیں حاصل ہوئیں، تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت اور شہرت رکھتی ہے۔ اس جنگ میں مٹھی بھر بے سروسامان فرزندانِ توحید کے ہاتھوں کفر و طاغوت کے بڑے بڑے باجبروت بت سرنگوں ہو گئے اور صنم کدوں میں ماتم و شیون برپا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو صداقتِ اسلام کی دلیل بنا دیا اور اسے "یوم الفرقان" کے نام سے پکارا۔ مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

(القمر، رکوع ۳۰)

(عنقریب (کفار کا) گروہ شکست کھائے گا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں) پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔)

جنگِ بدر سے اس آیت میں بیان کردہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کمزوروں سے زبردستوں کو پچھاڑنے پر بھی قادر ہے۔ رب العزت نے اپنی قدرتِ کریمہ کو قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان فرمایا:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (آل عمران، آیت ۱۲۳)

ترجمہ:- یقیناً خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم کمزور تھے تو اللہ کے تقویٰ کو اختیار

کرو تاکہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔

جنگِ بدر کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ کیا جا سکے گا کہ لڑائی سے پہلے سرورِ کونینؐ ساری رات بیدار رہ کر مصروفِ عبادت رہے اور بارگاہِ ربُ العزت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ان الفاظ میں دعا مانگی۔

"الٰہی اگر تو نے اہلِ توحید کی اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اس زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ الٰہی تو نے مجھ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر۔"

اس وقت حضورؐ کی محویت کا یہ عالم تھا کہ ردائے مبارک دوشِ اقدس سے بار بار گر پڑتی تھی مگر آپؐ کو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ رب ذوالجلال نے اپنے محبوب کی دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کی فوجیں فرزندانِ توحید کی مدد کے لیے نازل فرمائیں۔

تاریخ و سیر کی کتابوں میں جنگِ بدر کے حالات بڑی تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ ہم اس کتاب میں اس کے اجمالی تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

غزوۂ بدر کے اسباب و علل

ہادیٔ اکرمؐ اگرچہ اپنے جاں نثار رفقاء کے ساتھ مکہ سے تین سو میل دور مدینہ میں تشریف لے آئے تھے لیکن بدستور قریشِ مکہ کی آنکھوں کا کانٹا بنے ہوئے تھے۔ ان بدبختوں نے ہجرتِ نبوی کے بعد بھی فرزندانِ توحید کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں اور شر انگیزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ پہلے انہوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کو خط لکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑ دیا انھیں مدینہ سے نکال دو ورنہ

ہم مدینہ پر حملہ آور ہو کر تم کو فنا کر دیں گے۔ قریش کا خط ملنے پر عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے لڑنے پر کمر باندھی حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپ منافقوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو سمجھایا کہ قریش کی دھمکی سے ڈر کر مسلمانوں سے تمہارا لڑنا اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی سمجھ گئے کہ مسلمانوں سے لڑنے میں فی الواقع ان کا اپنا ہی نقصان ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مفسدانہ ارادے سے باز آ گئے۔ لیکن ان کے دل مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں تھے اور وہ درپردہ قریش مکّہ سے ملے ہوئے تھے۔ اسی طرح قریش نے یہودِ مدینہ کو بھی سازشی کارروائیوں کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ دشمنانِ حق کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمان ایک مدت تک راتوں کو جاگا کرتے تھے یا پہرے مقرر کر کے اور ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔

ہجرت کے چند دن بعد حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری (رئیس اوس) عمرہ کے لیے مکّہ گئے اور وہاں امیّہ بن خلف (رئیسِ مکّہ) کے پاس قیام کیا۔ طواف کے لیے نکلے تو راستے میں ابو جہل مل گیا۔ اس نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ تم صابیوں کو پناہ دے کر مکّہ میں اطمینان سے پھر رہے ہو اگر امیّہ کے ساتھ نہ ہوتے تو تم واپس گھر نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے غضب ناک ہو کر جواب دیا "روک کر دیکھو تو میں تمہارا مدینہ کا راستہ روک دونگا"۔ امیہ نے بیچ بچاؤ کرا دیا لیکن اس واقعہ کی تلخی باقی رہ گئی۔

ربیع الاوّل سنہ ۲ھ میں قریش کے ایک جنگجو کرز بن جابر فہری[1] نے مدینہ منورہ پر

---

[1] کرز بن جابر فہری بعد میں مسلمان ہو گئے۔ فتح مکّہ کے دن جن تین مسلمانوں نے شہادت پائی حضرت کرزؓ ان میں سے ایک تھے۔

چھاپہ مارا اور شہر کی بیرونی چراگاہ سے اہلِ مدینہ کے اونٹ ہانکا کر لے گیا حضورؐ نے مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ وادیٔ سفوان تک اس کا تعاقب کیا لیکن کرز ہاتھ نہ آیا۔ اس قسم کی غارت گریوں کے ساتھ قریش بڑے زور شور کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ عناصرِ فساد و شر سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حضورؐ بھی مہاجرین کی ہتھیار بند جماعتیں اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے۔ غزوہ ابواء، بعث عُبَیدہ بن حارث، بعثِ حمزہ، غزوۂ بواط، غزوۂ بدر اولیٰ (جس میں کرز بن جابر فہری کا تعاقب کیا گیا) اور سریۂ عبداللہ بن جحش انہی دنوں کی یادگار ہیں۔ ان میں سب سے اہم "سریۂ عبداللہ بن جحش" ہے کیونکہ یہی سریۂ قریش کے فوری اشتعال کا سبب بن گیا۔ جس کا نتیجہ "جنگِ بدر" کی صورت میں نکلا[1]

سریۂ عبداللہؓ بن جحش

رجب ۲ھ ہجری میں سرورِ کائنات ؐ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن جحش کو دس بارہ صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا کہ قریش کے حالات کا پتہ لگائیں۔ ان کی روانگی کے وقت حضورؐ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا کہ دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو پڑھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا حضرت

---

[1] اکثر اہلِ سیر نے ہر ایسے معرکہ کو جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی۔ غزوہ کا نام دیا ہے اور جس معرکہ میں حضورؐ نے لشکر بھیجا اور خود شریک نہ ہوئے اسے سریہ اور بعث سے تعبیر کیا ہے۔

عبداللہؓ نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق دو دن کے بعد یہ خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ مضمون لکھا پایا۔

"مقام نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ) میں جاکر ٹھہر و اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ جس کی مرضی ہو تمہارے ساتھ رہے ورنہ واپس آجائے۔"

حضرت عبداللہؓ حضورؐ کے حکم کے مطابق نخلہ میں جاکر ٹھہر گئے۔ ان کے سب ساتھیوں نے بھی اسی جگہ قیام کیا۔ اتفاق سے قریش کے چند لوگ (شام یا طائف سے) تجارت کا سامان لیے ادھر آنکلے۔ ان میں قریش کا ایک معزز شخص عمرو بن حضرمی بھی تھا۔ مسلمانوں نے اس قافلے پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقدؓ بن عبداللہ سہمی کے ایک تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ دو اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے اور باقی آدمیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت عبداللہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا "میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی۔" دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی انھیں ملامت کی کہ تم نے رسولِ اکرمؐ کی اجازت کے بغیر قافلہ لوٹا اور ماہِ حرام میں لڑے۔ حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں نے عذر پیش کیا کہ یہ کام ان سے اشتباہ والتباس کی بنا پر سرزد ہوا ہے اور وہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ چند دن بعد سرورِ کائناتؐ نے حکمِ الٰہی کے مطابق ان لوگوں کی خطا معاف کر دی اور مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ دونوں اسیران سرتہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

قریش کی یلغار

عمرو بن حضرمی کے قتل کی خبر سن کر قریش کی آتشِ عداوت بری طرح بھڑک اٹھی اور وہ جوشِ انتقام سے بیقرار ہو گئے۔ چند دن پہلے انہوں نے ایک عظیم الشان قافلۂ تجارت ابوسفیان کی سرکردگی میں شام روانہ کیا تھا۔ اب وہ اس قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں عمرو حضرمی کا واقعہ پیش آیا اور پھر چند دن بعد مکہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان قریش کے قافلۂ تجارت کو لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب قریش کے غیظ و غضب کا جہنم پوری طرح بھڑک اٹھا اور ان کے ایک ہزار سے زیادہ جنگجو زبردست ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اس لشکر میں سات سو اونٹ تین سو گھوڑے اور ایک زرہ پوش[1] رسالہ تھا۔ ابولہب کے سوا (جس نے کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی جگہ ایک اور آدمی بھیج دیا) تمام رؤسائے قریش عمرو بن ہشام (ابوجہل) عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ امیہ بن خلف۔ عقبہ بن ابی معیط۔ سعید بن عاص۔ حرث بن عامر۔ ابوالبختری بن ہشام۔ ولید بن عتبہ وغیرہ شامل تھے۔ سپہ سالارِ لشکر عتبہ بن ربیعہ تھا۔ اس پُر خروش لشکر نے بدر کے قریب جا کر قیام کیا۔ بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے قریب ایک چشمہ یا کنواں تھا۔ یہاں ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ اس سے زیادہ اس مقام کی

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ قریش کا ہر ایک سپاہی زرہ پوش تھا۔

کچھ اہمیت نہ تھی۔ لیکن (ہجرت کے بعد) کفر و اسلام کے معرکہ اوّل کی بدولت اس مقام کو حیاتِ ابدی حاصل ہو گئی۔ بدر پہنچ کر قریش کو اطلاع ملی کہ ابو سفیان کا قافلہ خیریت سے مکہ کی طرف چلا گیا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ اور کچھ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ اب لڑنے سے کچھ حاصل نہیں لیکن ابو جہل اور بعض دوسرے با اثر سردارانِ قریش لڑنے پر مصر تھے۔ انہوں نے لشکر کو ایسا مشتعل کیا کہ سب لڑنے مرنے پر تل گئے۔

انصار کا جوشِ جہاد

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مہاجرینؓ و انصارؓ کو جمع کیا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقداد بن عمروؓ نے اس موقع پر نہایت پُرجوش تقریریں کیں اور کہا کہ ہم راہِ حق میں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ یہ تینوں جانباز مہاجر تھے۔ رسولِ کریمؐ انصارؓ کا منشا بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ بیعت کے وقت انہوں نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر بھی دشمن سے لڑیں گے۔ حضورؐ نے انصار کی طرف دیکھا (ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ اب دوسرے حضرات بھی مشورہ دیں۔) رئیسِ اوس حضرت سعدؓ بن معاذ ہادیٔ اکرمؐ کا اشارہ سمجھ گئے۔ معاً اٹھ کھڑے ہوئے اور پُرجوش لہجہ میں عرض کی۔ "یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی رسالت کی تصدیق کی، آپ کی فرمانبرداری کا عہد کیا۔ پس جو بھی مرضی مبارک میں ہو وہ کیجیے۔ ربِّ اکبر کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا آپ

ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کود جائیں گے۔ ہمارا ایک متنفس بھی پیچھے نہیں رہیگا۔ انشاءاللہ آپ ہمیں میدانِ جنگ میں ثابت قدم اور شجاع پائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقعہ پر رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ نے یہ تقریر کی۔

" یارسول اللہ شاید آپ کا اشارہ انصار کی طرف ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو ہم اسے پامال کر دیں اور خشکی کا حکم دیں تو برک غماد (حبش یا یمن کی ایک جگہ کا نام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں۔"

انصار کا جوشِ جہاد اور جذبۂ فدویت دیکھ کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔

غرض ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری مطابق ۹ مارچ ۶۲۴ء کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مقدس لشکر میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔ روانگی سے پہلے حضورؐ نے حضرت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا اور حضرت عاصمؓ بن عدی کو قبا کا حاکم مقرر فرمایا۔

میدانِ بدر میں

مجاہدینِ اسلام پانچویں دن یعنی ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری کو میدانِ بدر

میں پہنچے۔ قریش پہلے سے موجود تھے اور انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کی قیام گاہ کے نیچے زمین ریتلی تھی جس میں آدمیوں اور اونٹوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر چشمے (یا کنوئیں) پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے مینہ برسا دیا جس سے مسلمانوں کی طرف کی زمین جم کر سخت ہو گئی۔ کفار نشیبی جگہ میں خیمہ زن تھے ان کی قیام گاہ میں ہر طرف کیچڑ ہو گئی۔ مسلمان چاہتے تو کفار پر پانی بند کر سکتے تھے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ دشمن پانی کو ترسیں۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ پانی لینے سے کسی کو منع نہ کیا جائے۔ مسلمانوں نے بارش کے پانی سے بھی فائدہ اٹھایا اور اسے روک کر متعدد حوض بنا لیے جن سے وضو اور غسل کا کام لیا جاتا تھا۔ رات ہوئی تو صحابہ کرامؓ ہتھیار کھول کر سو گئے۔ البتہ سرورِ کونینؐ ساری رات بیدار رہ کر مصروفِ دعا رہے۔ صبح کی نماز کے بعد حضورؐ نے صف آرائی شروع کی۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر۔ خزرج کا حضرت حبابؓ بن منذر اور اوس کا حضرت سعدؓ بن معاذ کو عنایت فرمایا۔ حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جس وقت ہم لوگ تیار ہوئے تو کچھ لوگ صف سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "میرے ساتھ رہو۔" صف بندی کے بعد حضورؐ نے بارگاہِ رب العزت میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے کہ "الٰہی تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے آج پورا فرما۔"

ایک عجیب نظارہ

جنگِ بدر میں جب تین سو تیرہ (۳۱۳) نفوسِ قدسی دشمنانِ حق کے مقابلے میں صف آرا

ہوئے تو چرخِ نیلی فام نے ایک عجیب نظارہ دیکھا کہ بیٹے کے مقابلے میں باپ۔ بھائی کے مقابلے میں بھائی۔ چچا کے مقابلے میں بھتیجا۔ بھانجے کے مقابلے میں ماموں (وعلیٰ ہذا القیاس) جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ دینِ حق کے نام لیواؤں نے اعلان کر دیا تھا کہ جو محمدؐ رسول اللہ کا دشمن ہے ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ خون رنگ نسل کے سب رشتے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں تا آنکہ لات و عزیٰ کے پجاری خدائے واحد پر ایمان لا کر ہماری ملت میں شامل نہ ہو جائیں حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ۔

تاریخ نے ان عجیب و غریب حریفوں میں سے بعض کے نام محفوظ کر لیے ہیں۔ مندرجہ ذیل تقابل ملاحظہ فرمایئے :۔

علمبردارانِ حق	پرستارانِ باطل
سرورِ کائنات آقائے دوجہاں فخرالانبیاء حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۔ آپؐ کے داماد ابوالعاص ۲۔ آپؐ کے چچازاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ۳۔ آپؐ کے دوسرے عم زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ۴۔ آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب ۵۔ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی مسعود بن ابی امیہ ۶۔ آپؐ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب

علمبرداران حق	پرستاران باطل
شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ	ان کے برادرِ حقیقی عقیل بن ابی طالب اور چچا عباسؓ بن عبدالمطلب
سید الشہداء حمزہؓ بن عبدالمطلب	ان کے بھائی عباس بن عبدالمطلب اور بھتیجے عقیل بن ابی طالب
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ	۱۔ ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ ۲۔ ان کا چچا شیبہ بن ربیعہ ۳۔ ان کا بھانجا حنظلہ بن ابی سفیان ۴۔ ان کا بھائی ولید بن عتبہ
حضرت ابوبکرؓ صدیق	ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ
حضرت عمر فاروقؓ	ان کا ماموں عاصی بن ہاشم
حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف	ان کا چچازاد بھائی حرث بن عامر
حضرت مصعبؓ بن عمیر	ان کا بھائی ابوعزیز بن عمیر
حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف	ان کا خسر عقبہ بن ابی مُعیط
حضرت ابوعبیدہ عامرؓ بن عبداللہ بن جراح	ان کا باپ عبداللہ بن جراح
حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد	ان کا بھائی اسود بن عبدالاسد
حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ	ان کا چچا عمرو بن عثمان

علمبردارانِ حق	پرستارانِ باطل
حضرت عبداللہؓ بن سہیل	ان کا والد سہیل بن عمرو
حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ	ان کا اخیافی بھائی ابوجہل

پرستارانِ حق کے جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ جب ابوبکر صدیقؓ کے فرزند عبدالرحمنؓ ایمان لائے تو ایک دن انہوں نے اپنے پدرِ گرامی سے کہا۔ "اباجان جنگِ بدر میں آپ کئی بار میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔" اے بیٹے اگر تو اس دن میری تلوار کی زد پر آجاتا تو خدا کی قسم تیری گردن اڑا دیتا۔" حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مشرک ماموں عاصی بن ہاشم کو عین معرکۂ کارزار میں جہنم واصل کیا۔ حضرت ابو عبیدہ عامرؓ کا مشرک باپ عبداللہ بن جراح ان کی شمشیرِ اجل کا نشانہ بن گیا اور نسبی و خونی تعلق انھیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہ روک سکا۔ سلام ان پر کہ جنھوں نے اللہ کی راہ میں ماں، باپ، بھائی، زن و فرزند، مال و دولت سب چھوڑ دیئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ کے جنگِ بدر میں ایک دوسرے کے مقابل ہونے کے واقعہ کو حافظ محمد اسلم جیراجپوری مرحوم نے ایک ایمان افروز نظم میں اس طرح پیش کیا ہے۔

پسرِ حضرت صدیقؓ وہ عبدالرحمٰن — جو کہ تقویٰ میں تھے بےمثل شجاعت میں مثل
مصر اور شام کی جنگوں میں جو جو کیے کام — زینتِ صفحۂ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل
ہاتھ تیغ تھی یا برق پئے خرمنِ کفر — دیکھ کے دل جسے کفار کے جاتے تھے دہل

سطوتِ حق کا زمانہ پہ بٹھایا سکہ
چمنِ دہر سے باطل کو کیا مستاصل

بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقین
تھے شریکِ صفِ اعداوہ پئے جنگ و جدل

بعد ازاں لائے اسلام وہ والا گہر
نورِ توفیقِ الٰہی نے دکھائی مشعل

بزمِ اصحابِ رسولِ عربیؐ میں اک روز
غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل

بولے یہ حضرتِ صدیقؓ سے عبدالرحمٰنؓ
حملہ آور جو ہوئی بدر میں صفِ اوّل

ایک بار آپ وہاں آ گئے میری زد پر
سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے خلل

پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے روکا
دوسری سمت کو رخ اپنا لیا میں نے بدل

سن کے یہ حضرتِ صدیقؓ نے ارشاد کیا
راہِ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل

تو مری زد پہ جو آتا تو نہ بچ کر جاتا
یہ مری تیغ تھی تیرے لیے پیغامِ اجل

دشمنِ حق سے مسلماں کی قرابت کیسی
اس کا رشتہ ہے فقط حبِ خدا عزوجل

لڑائی کا آغاز

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت عرب میں بالخصوص اور دوسرے ممالک میں بالعموم یہ دستور تھا کہ مخالف فوجیں عام لڑائی سے پہلے مبارزہ کیا کرتی تھیں یعنی ایک ایک دو دو آدمی نکل کر مخالف فریق کے اتنے ہی آدمیوں کو لڑنے کے لیے للکارتے تھے۔ چنانچہ میدانِ بدر میں جب شرارِ بولہبی چراغِ مصطفوی سے ستیزہ کار ہوا تو کفار کی طرف سے سب سے پہلے عامر بن حضرمی نکلا اور اس نے لشکرِ اسلام کو دعوتِ مبارزت دی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مہجعؓ بن صالح یمنی

جھپٹ کر نکلے وہ کچھ عرصہ پہلے حضرت عمرؓ فاروق کے غلام تھے۔ فاروقِ اعظمؓ نے انھیں راہِ خدا میں آزاد کر دیا تھا۔ حضرت مہجعؓ کے دل میں شوقِ شہادت چٹکیاں لے رہا تھا انہوں نے اپنے حریف کی جنگی مہارت کی قطعاً پروا نہ کی اور فوراً اس کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ مقدور بھر دادِ شجاعت دی اور آخر عامر کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ بدر کے میدان میں یہ پہلا خون تھا جو اللہ کے راستے میں گرا۔ مہجعؓ کی شہادت کے بعد عامر اکڑتا ہوا اپنے لشکر میں چلا گیا۔ اس کے بعد قریشِ مکہ کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اکڑتے ہوئے نکلے۔ یہ تینوں قریش کے نامی بہادر تھے۔ عتبہ نے اپنے سینہ پر شتر مرغ کے پر کا امتیازی نشان لگا رکھا تھا۔ ان تینوں نے علمبردارانِ حق کو دعوتِ مبارزت دی۔ تین انصاری عاشقانِ رسول معاذؓ، معوذؓ اور عوفؓ پسرانِ حارث ان کے مقابلہ کے لیے نکلے (بعض مورخوں نے عوفؓ بن حارث کی جگہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری کا نام لکھا ہے) عتبہ نے ان کا حسب نسب پوچھا۔ جب انہوں نے بتایا تو عتبہ پکارا۔ " محمدؐ یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں ہماری قوم اور کفو کے آدمی ہمارے مقابلے پر بھیجو۔"

حضورؐ نے شیرِ خدا حمزہؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبیدہؓ بن حارث کو حکم دیا کہ جاؤ اور راہِ خدا میں لڑو۔ یہ تینوں قریشی تھے۔ عتبہ نے انھیں دیکھ کر کہا۔ " ہاں اب یہ ہمارے جوڑ کے ہیں۔"

عتبہ نے حضرت حمزہؓ اور ولید نے حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا۔ اور عبیدہ شیبہ سے معرکہ آرا ہوئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے آناً فاناً اپنے حریفوں کو موت کے گھاٹ

اتار دیا۔ البتہ عبیدہؓ جو معمر تھے اور بنو عبد مناف کے سب لوگوں سے عمر میں بڑے تھے شیبہ کی تلوار سے شدید زخمی ہوئے حضرت علیؓ حضرت عبیدہؓ کی مدد کو بڑھے اور انہوں نے ایک ہی وار میں شیبہ کو نارِ جہنم کے حوالے کر دیا۔ طعیمہ بن عدی بن نوفل جوش میں آکر آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ کی شمشیر خارا شگاف نے اسے بھی خاک و خون میں سلا دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عبیدہؓ کو کمر پر ڈال کر رسولِ کریمؐ کے سامنے لائے۔ عبیدہؓ نے بے تابانہ عرض کی۔ "یا رسول اللہ کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں تم نے درجۂ شہادت حاصل کر لیا[1]۔"

زخمی عبیدہؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ بے اختیار ہو کر بولے کہ آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

ونسلمہ حتی نصرع حولہ
ونذھل عن ابناءنا والحلائل

ہم محمد رسول اللہ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے
ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔

اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ جس وقت میدانِ بدر میں حق و باطل کے درمیان گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، سرورِ کائناتؐ

---

[1] جان نثارِ رسولؐ حضرت عبیدہؓ نے بدر سے مراجعت کے بعد وادیٔ صفراء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے آپ کو واقعی ابوطالب کے مذکورہ شعر کا مستحق بنا لیا۔

میدان کے کنارے پتھر کے ایک سائبان میں تشریف فرما تھے اور فرزندانِ توحید کی نصرت کے لیے دست بدعا تھے۔ حق و باطل کے اس معرکۂ عظیم کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

شوقِ شہادت کی انتہا

جب مشرکین مسلمانوں کے نزدیک آ گئے تو سرورِ کائناتؐ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ اٹھو اور جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کی طرح ہے۔

حضرت عمیرؓ بن حمام انصاری بھی ان صحابہؓ میں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ اس جنت کی طرف جس کا عرض ارض و سما کا عرض ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "ہاں"

حضرت عمیرؓ بن حمام نے بے ساختہ کہا۔ "بخ بخ (یعنی واہ واہ)

حضورؐ نے پوچھا۔ "تمہیں کس چیز نے واہ واہ کہنے پر آمادہ کیا۔"

عمیرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ خدا کی قسم میں نے یہ کلمہ اس امید پر کہا کہ میں بھی اہلِ بہشت میں سے ہو جاؤں۔"

حضورؐ نے فرمایا:۔ "بیشک تم بھی بہشت والوں سے ہو۔"

حضرت عمیرؓ اپنی جھولی سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر شوقِ شہادت میں بیتاب ہو کر کہا۔ "اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کروں تو یہ بہت طویل زندگی ہے۔"

یہ کہہ کر باقی کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار پکڑ کر مردانہ وار صفِ اعداء میں گھس گئے۔ بہت سے دشمنوں نے نرغہ میں لے لیا۔ مشتاقِ جنت عمیرؓ نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔[1]

واہ واہ اے حارثہؓ

حارثہؓ بن سراقہ انصاری مشہور صحابیہ حضرت رُبیّعؓ بنتِ نضر کے اطاعت گزار بیٹے تھے۔ سراقہ ہجرت نبوی سے قبل فوت ہو گئے تھے اور رُبیّعؓ اپنے بیٹے کے سہارے پر ہی زندگی کے دن کاٹ رہی تھیں۔ سعادت مند بیٹا ماں کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کا بھی خیال رکھتا تھا اور ماں اپنے بیٹے کی سعادتمندی پر سو جان سے فدا تھیں۔ جب اسلام کی نورانی کرنوں نے سرزمینِ یثرب کو منور کیا تو دونوں ماں بیٹا دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔

ایک دن رحمتِ دوعالم ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں حارثہ سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا "صبح کیسے اٹھے؟" جواب دیا۔ "یا رسول اللہ اس طرح کہ مسلم صادق ہوں۔"

---

[1] صحیح مسلم میں اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔ اس میں نام کی تصریح نہیں کی گئی۔ اور واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "یا رسول اللہ اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔" حضور ﷺ نے فرمایا "جنت میں" اس شخص کے ہاتھ میں کچھ چھوہارے تھے اس نے زمین پر پھینک دیئے پھر مشرکین سے ایسا لڑا کہ شہید ہو گیا۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "سوچ کر جواب دو۔ ہر بات کی اصلیت ہوتی ہے۔"

حارثہؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ دنیا سے کنارہ کر لیا ہے رات کو رواں اور دن کو تشنہ لب رہتا ہوں۔ اس وقت اپنے آپ کو عرش کی جانب مائل بہ پرواز محسوس کر رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ دوزخی دوزخ میں جا رہے ہیں اور جنتی جنت میں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "جس بندۂ حق کا سینہ اللہ پُرنور کر دے وہ اپنے خالق سے جدا نہیں ہوتا۔"

حارثہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ ذاتِ احد مجھے رتبۂ شہادت پر فائز کرے۔" حضورؐ نے ان کی استدعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کے لیے شہادت کی دعا کی تھوڑے ہی عرصہ بعد غزوۂ بدر پیش آگیا۔ حضرت حارثہؓ اس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ گھوڑے پر سوار تھے اور سب سے پہلے میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک حوض پر پانی پی رہے تھے کہ ایک مشرک نے تاک کر تیر مارا۔ حضرت حارثہؓ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے اور انصار میں سب سے پہلے رسولِ کریمؐ پر اپنی جان قربان کر دی۔

ماں کو اپنے سعادت مند فرزند سے بے پناہ محبت تھی۔ غزوہ سے واپسی پر بادیدۂ نم رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ میں اپنے اطاعت گزار فرزند پر دیوانہ وار فدا تھی۔ اگر وہ جنت میں گیا ہے تو خیر ورنہ آپ دیکھیں گے کہ میں اپنا کیا حال بناتی ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "جنت کیا حارثہؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس عطا کی ہے۔"

فدائے حق ماں خیر البشرؐ کی زبانِ مبارک سے اپنے بیٹے کے لیے جنت الفردوس

کی بشارت سن کر نہال ہوگئیں۔ لبوں پر بے اختیار تبسم آگیا اور کہنے لگیں:۔
"بخٍ بخٍ یا حارثہ یعنی واہ واہ اے حارثہ!"

ابوالبختری کا قتل

حضرت عبداللہ (مجذر) بن زیادؓ انصاری رسول اللہؐ کے عاشقِ صادق تھے غزوۂ بدر میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مصروفِ وغا تھے کہ ان کا سامنا رئیسِ مکہ ابوالبختری سے ہوگیا۔ وہ اپنے ایک رفیق جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھا۔ ابوالبختری ایک شریف الطبع انسان تھا اس نے مکہ میں کئی مواقع پر رسولِ کریمؐ کی مدد کی تھی۔ اس لیے حضورؐ نے مسلمانوں کو اس کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی۔

حضرت مجذرؓ بن زیاد نے اسے دیکھ کر کہا۔ "رسولِ کریمؐ نے تمہارے قتل کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔"

ابوالبختری نے کہا۔ "کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟"

مجذرؓ نے کہا: "اسے کیوں چھوڑدوں؟" رسول اللہ نے صرف تمہاری جاں بخشی کا حکم دیا ہے۔"

ابوالبختری نے جواب دیا: "یہ کبھی نہ ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دوں۔ قریش کی عورتیں مجھے خود غرض کہیں گی ؎

لن یسلم ابن حُرّۃٍ زمیلہ
حتّٰی یموتَ او یری سبیلہ

(کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے رفیق کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔)

یہ کہہ کر اونٹ سے کود پڑا اور حضرت مجذرؓ پر حملہ آور ہوا۔ وہ جنونِ عشق میں سرمست تھے مجبور ہو کر ہاتھ اٹھایا اور تلوار کے ایک ہی وار سے ابوالبختری کو کاٹ کر رکھ دیا لیکن رسولِ کریمؐ کا حکم یاد آیا تو جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ دست بستہ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ " یا رسول اللہ رب ذوالجلال کی قسم میں نے ابوالبختری کو زندہ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا اور میرے ہاتھ سے مارا گیا۔"

حضورؐ نے ان کا عذر معقول سمجھ کر درگزر فرمایا [1]

---

[1] جنگِ اُحد میں بھی حضرت مجذرؓ نہایت جوش و خروش سے شریک ہوئے لیکن خدا کی قدرت کہ وہ اپنے ایک مسلمان بھائی کی تیغِ جفا کا شکار ہو گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا اس کا بیٹا حارث مسلمان ہو گیا تھا لیکن مجذرؓ کی طرف سے اپنا دل معاف نہ کیا تھا جنگِ احد کے دن موقع پا کر اس نے حضرت مجذرؓ کو شہید کر ڈالا اور اسلام سے برگشتہ ہو کر مکہ بھاگ گیا حضورؐ کو اس کی ناپاک حرکت سے بہت صدمہ پہنچا۔ فتح مکہ کے دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے مجذرؓ کے عوض قتل کرا دیا۔ مجذرؓ کے ایک دلی دوست حضرت عبداللہؓ بن سلمہ انصاری تھے اُحد کے دن سفرِ آخرت میں انہوں نے بھی اپنے دوست کا ساتھ دیا اور معرکہ کارزار میں عبداللہ بن زبعریٰ کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ دونوں دوستوں کی لاشیں ایک ہی اونٹ پر رکھی گئیں۔ عبداللہؓ بہت تنومند اور فربہ تھے اور مجذرؓ دھان پان جسم کے تھے لیکن دونوں لاشوں کا توازن اونٹ پر قائم رہا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ توازن مجذرؓ کے وزنی اعمال کی وجہ سے ہے۔

حضرت مجذرؓ اور عبداللہؓ بن سلمہ دونوں انصار کے قبیلہ بلی سے تھے۔ دونوں نے ہجرتِ نبوی کے عہد اسلام قبول کیا اور دونوں نے جنگِ بدر میں بھی نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی۔

ابوجہل کا قتل

معاذؓ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح مدینہ کے دو انصاری نوجوان تھے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں والہانہ محبت تھی۔ انہوں نے کہیں سے سنا کہ رئیس مکہ ابوجہل ان کے آقا کو گالیاں دیتا ہے۔ دونوں کا خون کھول اٹھا اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ جب بھی موقع ملا اس دشمنِ خدا کو قتل کر دیں گے۔

جنگِ بدر کے دن انھیں معلوم ہوا کہ ابوجہل بھی مشرکین کے لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ دونوں اس کی تلاش میں نکلے۔ پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے ڈھونڈنے میں دقت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہیں ان کے پاس تھے۔ دونوں میں سے ایک نے ان سے پوچھا۔ "عمِ محترم کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟"

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اُن کی طرف حیرت سے دیکھا اور کہا: "ہاں بھتیجے پہچانتا ہوں لیکن تمہیں اس سے کیا کام؟" وہ بولے۔ "میں نے سنا ہے وہ ہمارے حبیبِ پاکؐ کو گالیاں دیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اس کو ڈھونڈ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں جب تک اسے ہلاک نہ کر دوں یا اپنی جان نہ دے بیٹھوں[1]۔"

---

[1] یہ روایت خمیس اور صحیح مسلم کی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت یہ ہے کہ ابوجہل کو معاذؓ اور معوذؓ دو انصاری بھائیوں نے قتل کیا۔ خمیس کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب معاذؓ بن عفراء اور معاذؓ بن عمرو نے ابوجہل کو گھائل کر دیا تو معوذؓ بن عفراء بھی وہاں جا پہنچے اور انہوں نے بھی ابوجہل پر تلوار کے وار کیے۔

اتنا ثابت ہے کہ معوذؓ نے غزوۂ بدر میں جامِ شہادت پیا۔

دوسرے نوجوان نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کو ان نوجوانوں کے جذبۂ جاں نثاری پر بہت حیرت ہوئی۔ اتنے میں مشرکین کے لشکر میں ابوجہل گھوڑا دوڑاتا نظر آیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے اشارہ سے بتایا "وہ رہا ابوجہل" دونوں نوجوان تیر کی طرح ابوجہل کی طرف لپکے۔ قریب پہنچ کر ایک نے ابوجہل کے گھوڑے پر تلوار کا وار کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر۔ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آرہے۔ اب دونوں نے اس پر پے در پے تلواروں کے وار شروع کر دیئے۔ عکرمہ بن ابی جہلؓ پاس ہی تھا اس نے لپک کر تلوار کا ایک بھرپور وار معاذؓ بن عمرو بن جموح کے شانے پر کیا۔ شانہ کٹ گیا اور صرف کھال سے لٹکا ہوا رہ گیا۔ معاذ نے اس لٹکے ہوئے بازو کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر لڑائی میں مصروف ہو گئے جب لڑنے میں دقت ہوئی تو ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا۔ کھال کا تسمہ ٹوٹ گیا اور انہوں نے اپنے شہید بازو کو دور پھینک دیا۔ دوسرے نوجوان معاذؓ بن عفراء پر ایک اور مشرک ابن ماعض زریقی نے حملہ کیا اور انھیں شدید زخمی کر دیا۔ دوسری طرف ابوجہل بھی قریب قریب ختم ہو گیا تھا۔ اتنے میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود پہنچ گئے۔ انہوں نے اس دشمنِ خدا کی چھاتی پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا اور دوڑتے ہوئے سرورِ کونینؐ کے پاس پہنچے۔ حضورؐ نے ابوجہل کا سر دیکھا تو زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

(آج اس اُمت کا فرعون مر گیا)

اُدھر دونوں ہمنام عاشقانِ رسولؐ خون میں نہائے ہوئے بارگاہِ رسالتؐ

میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یارسول اللہ ہم نے ابوجہل کو جہنم واصل کر دیا ہے۔"

حضورؐ نے پوچھا "تم نے اپنی تلواریں دھو ڈالی ہیں یا نہیں؟"

دونوں نے عرض کی "یارسول اللہ نہیں ابھی ابوجہل کا ناپاک خون ان سے ٹپک رہا ہے۔"

حضورؐ نے خون آلودہ تلواریں دیکھیں اور فرمایا:۔

"بیشک تم دونوں نے ابوجہل کو قتل کیا ہے۔"

فتحِ مبین

کفار کے حوصلے پست کرنے کے لیے عتبہ اور ابوجہل کا قتل ہی کچھ کم نہ تھا لیکن تھوڑی دیر میں جب ان کے دوسرے بڑے بڑے سردار ولید بن عتبہ، عاص بن ہشام، حارث بن عامر، شیبہ بن ربیعہ، زمعہ بن الاسود اور منبہ بن الحجاج وغیرہ بھی خاک و خون میں لوٹ گئے تو انھوں نے بددل ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور مٹھی بھر فرزندانِ توحید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے سہ گنا دشمنان پر فتح مبین عطا فرمائی۔ قریش کے قریباً ستر آدمی ہلاک اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں اسلام کے بدترین دشمن عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔ ان کو رسولِ اکرمؐ کے حکم کے مطابق جہنم واصل کر دیا گیا۔ دوسرے قیدی دو دو چار کی ٹکڑیوں میں صحابۂ کرام میں تقسیم کر دیئے گئے۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ جن کے پاس کپڑے نہ ہوں انہیں کپڑے پہناؤ، ان کو کھانا کھلاؤ خواہ تمہیں خود بھوکا رہنا پڑے، انھیں آرام سے سلاؤ اور ہر طرح ان کی خدمت کرو۔ اسیرانِ جنگ پر رحمتِ عالمؐ

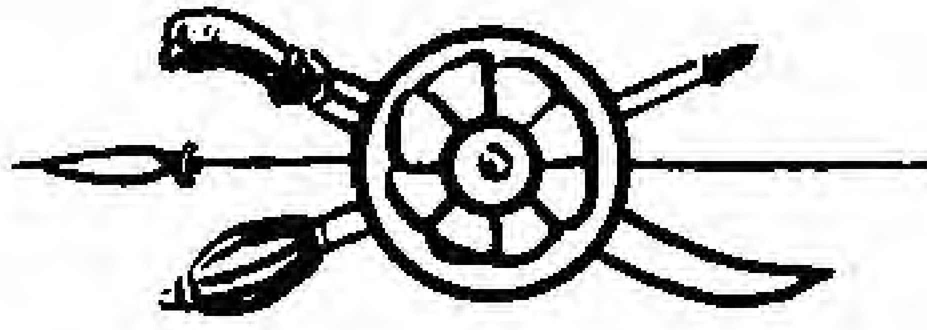
کی نظرِ کرم فی الحقیقت تاریخ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ ان قیدیوں کو مسلمانوں نے مہمانانِ عزیز کی طرح رکھا۔ یہاں تک کہ قریش نے فدیہ دے کر ان کو واپس لے لیا۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کر سکتے تھے انھیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انھیں حکم ہوا کہ اپنے فدیہ میں وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس غزوہ میں مطلب بن حطیب کو گرفتار کیا تھا چونکہ وہ مفلس تھا اس لیے بعد میں اسے فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا گیا۔ لڑائی میں مسلمانوں کے چودہ آدمیوں نے شہادت پائی جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔

غزوۂ بدر کی دو خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اس غزوہ کا حال ربّ العزت نے خود قرآن کریم (سورۂ انفال) میں تفصیل سے بیان فرمایا۔ دوسری یہ کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طریقوں سے تائید و نصرت فرمائی۔ ہماری مراد نزولِ ملائکہ اور مسلمانوں کی تعداد کو کفّار کی نظر میں دوگنا دکھانے سے ہے۔ آلِ عمران میں اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۝ (وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے) نزولِ ملائکہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن ملائکہ سفید عمامے باندھ کر نازل ہوئے جن کے شملے پیچھے کی طرف تھے۔

غزوۂ بدر فی الحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھا۔ مسلمانوں کی فتح مبین قریش کے اقتدار پر کاری ضرب کی حیثیت رکھتی تھی۔ مکہ معظمہ میں ہزیمتِ کفّار کی خبر سے کہرام مچ گیا اور گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی لیکن غیرت کی وجہ سے قریش

نے منادی کرادی کہ کوئی شخص ماتم وشیون نہ کرے اور اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی تیاری کرے۔

قریش کا یہی جوشِ انتقام جنگِ احد کا سبب بنا۔



بیعتِ رضوان

جنگِ احد اور احزاب میں شرکت

جنگِ بدر کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غزوات و سرایا پیش آئے ان میں غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب (خندق) خاص اہمیت اور شہرت رکھتے ہیں۔ ان دونوں غزوات میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی شرکت بالاتفاق ثابت ہے۔ جنگِ احد میں حضرت ابو ایوبؓ کی فداکاریوں کی تفصیل کتبِ سیر و تاریخ میں نہیں ملتی البتہ ان کے کئی دوسرے (انصاری) بھائی بندوں کی عزیمت و استقامت اور سرفروشی کی داستانیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا رُخ بدل گیا اور مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ فرزندانِ توحید کے ستر آدمی شہید ہوئے جن میں سرورِ کونینؐ کے جاں نثار چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مواخاتی بھائی حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے۔ شہداء میں ۴ مہاجر اور ۶۶ انصار تھے۔ رحمتِ دو عالم خود اس جنگ میں زخمی ہو گئے لیکن حضورؐ کی شانِ عفو و کرم کا یہ عالم تھا کہ کفار کے حق میں بددعا کرنے کی بجائے

آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (الٰہی میری قوم کو بخش دے وہ نادان ہے) یہ جنگ باختلافِ روایت ۷ یا ۱۴ شوال ۳ھ کے دن پیش آئی۔

ماہ ذوالقعدہ ۵ھ ہجری میں پرستارانِ حق کو احزاب (خندق) کی ہولناک جنگ پیش آئی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ ۴ھ میں رسول اکرمؐ نے یہود مدینہ (بنو نضیر) کو ان کی مسلسل شرانگیزی کی وجہ سے مدینہ سے خارج کر دیا تھا۔ بنو نضیر خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہاں انھوں نے اہلِ حق کے خلاف ایک خوفناک سازش تیار کی اور اپنے ساتھ قریشِ مکہ اور قبائل غطفان، بنو سعد، بنو اسد وغیرہ کو ملا کر چوبیس ہزار جنگجوؤں کا لشکر جمع کر لیا۔ یہ لشکر بڑے سازوسامان کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں کے استیصال کے لیے مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ کے مطابق مدینہ کے غیر محفوظ گوشے کی طرف خندق کھودنے کا اہتمام کیا۔ ذاتِ رسالت مآبؐ کے ساتھ تین ہزار صحابہ کرامؓ نے جن میں حضرت ابوایوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔ اس کام میں حصہ لیا اور پندرہ یا بیس دن میں خندق تیار ہو گئی۔ اس خندق کی کھدائی کے وقت چشمِ فلک نے عجیب رقت انگیز مناظر دیکھے سالارِ انبیاء، فخرِ موجوداتؐ صحابہؓ کے ہمراہ خود مزدوروں کا لباس پہنے ہوئے خندق کھودتے تھے اور زبانِ مبارک پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ کے یہ رجزیہ اشعار جاری ہوتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا

الٰہی تیرے سوا ہم کو ہدایت کہاں تھی

فَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

ہم کیسے تیری نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

الٰہی ہم پر سکینہ کا نزول فرما

وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا

اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کی توفیق دے

اِنَّ الْاَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

یہ دشمن ہم پر خواہ مخواہ ظلم سے چڑھ آئے ہیں

اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

وہ فتنہ پرداز ہیں اور ہمیں فتنہ کی بات نہیں بھاتی

صحابۂ عظام خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَى الْاِسْلَامِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی ہے)

خندق کھودتے وقت (اور بعد میں محاصرہ کے دوران) مسلمانوں پر دو دو تین تین دن کے فاقے گزر جاتے تھے۔ وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن منہ سے اف نہیں کرتے تھے۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ لوگوں نے ایک دن حضورؐ کو اپنے شکم کھول کر دکھائے۔ ان پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا اٹھایا تو اس پر ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

کفار نے مدینہ کے قریب پہنچ کر خندق کو اپنے راستے میں حائل پایا تو انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

مدینہ کے یہود بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن اس موقع پر غداری کر کے وہ بھی دشمنوں سے مل گئے۔ اور مسلمانوں کے مصائب میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ کفار خندق کے پار سے مسلمانوں پر تیر برساتے تھے اور سنگباری کرتے تھے۔ حضورؐ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ بیس بائیس دن تک کفار کا محاصرہ قائم رہا اس اثناء میں انہوں نے ایک دن مسلمانوں پر عام حملہ کیا اور ان کے چند نامی بہادروں نے خندق کو عبور کر لیا۔ مسلمانوں نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور کفار کو پسپا کر دیا۔ اس حملہ میں کفار کے نامور بہادر عمرو بن عبدِ ود اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوئے۔ محاصرہ جس قدر طویل ہوتا جاتا تھا کفار کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب پیدا کیے کہ محاصرین میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور پھر ایک رات کو ایک خوفناک طوفانِ باد نے کفار کو گھیر لیا۔ ان کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور کھانے کے برتن چولہوں پر سے الٹ گئے۔ خوفناک تاریکی اور سردی اس پر مستزاد تھی۔ کفار میں اب محاصرہ جاری رکھنے کا یارا نہ رہا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا" (احزاب آیت: ۹)

ترجمہ (مسلمانو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو نظر نہیں آتی تھیں۔)

بیعتِ رضوان

غزوۂ بدر، احد، اور احزاب میں شرکت کے بعد حضرت ابو ایوبؓ انصاری کو جو سب سے بڑا شرف حاصل ہوا وہ آپ کا بیعتِ رضوان میں شرکت کرنا تھا۔ "بیعتِ رضوان" تاریخِ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔ جو صحابہ کرامؓ اس بیعت میں شریک ہوئے انہیں "اصحابِ شجرہ" کے نام سے پکارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ بیعتِ رضوان میں ان جلیل القدر ہستیوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود راہِ حق میں جس فداکاری اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا تاریخِ عالم میں اس کی مثالیں ناپید ہیں۔

حضرت ابو ایوبؓ انصاری صاحبِ بدر بھی تھے اور صاحبِ شجرہ بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ایمان افروز واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا جائے۔

یکم ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری کو سرورِ کائناتؐ نے حج کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کے ستر اونٹ بھی ساتھ لے لیے اور اس خیال سے کہ مسلمانوں کی اتنی عظیم جمعیت کو دیکھ کر قریشِ مکہ کے دل میں کوئی اور شک نہ گزرے۔ حضورؐ نے عمرہ کا احرام باندھا اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھو اور تلوار بھی نیام میں ہو۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر سرورِ کائناتؐ اور صحابہ کرامؓ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ ادھر قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی آمد آمد کی خبر پہنچی تو وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضورؐ نے بشرؓ بن سفیان خزاعی کو قریش کے عزائم [illegible] سے واپس

آکر عسفان میں حضورؐ سے ملے اور عرض کی :۔

" یا رسول اللہ قریش مکہ مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

حضورؐ یہاں سے آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچے اور وہاں ٹھہر گئے۔ حدیبیہ کے پاس ایک کنواں تھا جس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ حضورؐ نے اپنا لعابِ دہن کنوئیں میں ڈال دیا[1] اور پانی کی فراوانی کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کنوئیں کو پانی سے لبریز کر دیا۔

دو دن کے بعد قریشِ مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔) سفیر بنا کر مسلمانوں سے یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ وہ کس نیت سے آئے ہیں۔ حضورؐ نے عروہ کو بتایا کہ محض حج کرنے کے لیے آئے ہیں اور لڑائی کا مطلق ارادہ نہیں رکھتے۔ عروہؓ نے واپس جا کر قریش کو حضورؐ کے جواب سے آگاہ کیا اور انھیں حضورؐ سے صحابہ کی والہانہ شیفتگی کے حالات بتا کر یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لو[2]

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ نے حضرت براء بن عازبؓ کو ایک تیر دے کر فرمایا کہ اسے کنوئیں میں ڈال دو۔ حضرت براءؓ نے جونہی تیر کنوئیں میں ڈالا وہ پانی سے لبالب بھر گیا۔

[2] عروہ بن مسعود نے مکہ واپس جا کر قریش کو بتایا۔" اے قوم میں کئی بار قیصر و کسریٰ اور نجاشی (شاہ حبش) کے درباروں میں گیا ہوں لیکن میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جس کے اہلِ دربار اس سے ایسی محبت اور عقیدت رکھتے ہوں جیسی محمدؐ کے ساتھ اس کے ساتھیوں کو ہے۔ محمدؐ تھوکتا ہے تو اس کے تھوک کو وہ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔ وہ وضو کرتا ہے تو لوگ مستعمل پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عروہؓ کے جانے کے بعد سرورِ کائنات ؐ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو طواف کرو ہم منع نہیں کریں گے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا "میں سرورِ کائنات ؐ اور دوسرے مسلمانوں کے بغیر ہرگز طواف نہ کروں گا۔"

قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکینِ مکہ نے شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمان کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے تو سب اس کی تعمیل کے لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جب وہ کلام کرتا ہے تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے اور کوئی اس کے سامنے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ میری رائے یہ ہے کہ جیسے بھی ہو سکے اس شخص سے صلح کر لو۔"

یہی عروہؓ بن مسعود ۹ھ میں مشرف باسلام ہو گئے۔ حضورؐ نے انہیں قبیلہ ثقیف میں اشاعتِ اسلام کی اجازت مرحمت فرمائی۔ انہوں نے واپس جا کر اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس کا جواب تیروں کی بوچھاڑ سے دیا۔ عروہ ایک تیر سے سخت زخمی ہو گئے جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو لوگوں نے پوچھا کہ اپنے خون کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ فرمایا "یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے شہادت کی نعمت عطا کی۔" اس کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور طائف کے گنجِ شہیداں میں دفن ہوئے۔ حضورؐ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا:۔

"عروہ کی مثال صاحب یٰسین (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا اور اس نے (اپنی طرف سے) ان کو قتل کر دیا۔"

بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

صحابہ کرامؓ اگرچہ بے سرو سامان تھے لیکن سب نے حضورؐ کے ارشاد پر لبیک کہا۔ حضورؐ ایک درخت "سمرہ" کے نیچے بیٹھ گئے اور مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک جان میں جان ہے کفار سے لڑیں گے اور قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تمام صحابہ کرامؓ نے نہایت ذوق و شوق سے جان نثاری کی بیعت کی۔ تاریخِ اسلام میں یہی بیعت "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (سورۂ فتح)

اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب بیعت کرتے تھے (اے رسول) تم سے درخت کے نیچے۔

حضرت ابو ایوبؓ انصاری بھی ان چودہ سو صحابہ کرام میں شامل تھے جو بیعتِ رضوان سے مشرف ہوئے۔

صلح حدیبیہ

قریشِ مکہ کو جب اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ مرعوب ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ کو زندہ دیکھ کر مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو (جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے) سفیر بنا کر مسلمانوں کے پاس بھیجا کہ صلح کی شرائط طے کی جائیں۔ حضورؐ اور سہیل کے درمیان کچھ دیر گفتگو ہوئی اور پھر مندرجہ ذیل شرائطِ صلح طے ہو گئیں

(۱) مسلمان اس سال حج نہ کریں گے البتہ آئندہ سال حج کے لیے مکہ میں داخل ہو سکیں گے۔ وہ بھی اس حالت میں کہ نیام میں ڈالی ہوئی تلوار کے سوا کسی مسلمان کے پاس کوئی اور ہتھیار نہ ہوگا۔ اور ان کو تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) مسلمانوں اور ان کے حلیفوں، اور اہلِ مکہ اور ان کے حلیفوں کے درمیان دس سال تک صلح رہیگی۔

(۳) قریش کا کوئی آدمی اگر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہوگا۔ لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی اگر قریش کے ہاتھ آگیا تو وہ مسلمانوں کو واپس نہ کیا جائے گا۔

آخری شرط صحابہ کرامؓ پر بہت گراں گزری۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بیتاب ہو کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کی: "یا رسول اللہ کیا آپ پیغمبرِ خدا نہیں ہیں"

حضورؐ نے فرمایا۔ "بیشک ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "کیوں نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ پھر ہم دب کر کیوں صلح کریں۔"

حضورؐ متبسم ہوئے اور فرمایا۔ "اللہ کا حکم اور مصلحت اسی میں ہے۔"

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو حکم دیا کہ وہ معاہدۂ صلح کو احاطۂ تحریر میں لائیں۔

حضرت علیؓ نے معاہدہ قلمبند کرتے وقت سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔ سہیل نے کہا۔ "ہم نہیں جانتے رحمٰن کسے کہتے ہیں اس کی بجائے قدیم دستور

کے مطابق " بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ " لکھو۔

حضورؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھ دو۔

پھر جب حضرت علیؓ نے لکھا۔ " یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین ہُوا ہے۔" تو سہیل نے اعتراض کیا۔ " اگر ہم محمدؐ کو اللہ کا رسول مان لیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھو۔[1]"

---

[1] یہی سہیلؓ بن عمرو جو بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھنے پر معترض ہوئے فتح مکہ کے بعد برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ قبولِ اسلام سے پہلے وہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ ان کے دو سلیم الفطرت بیٹوں ابوجندلؓ اور عبداللہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ دینِ حق کی مخالفت میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کا عفو و کرم دیکھ کر دل موم ہو گیا۔ حضورؐ جب غزوۂ حنین سے واپس ہوئے تو سہیلؓ جعرانہ کے مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ اب وہ اسلام کے ایک جان نثار سپاہی تھے۔ جب سرورِ کائناتؐ نے رحلت فرمائی تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سہیل نہ صرف خود ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے بلکہ انہوں نے دوسرے قبائل کو بھی مرتد ہونے سے روکنے کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ مکہ میں انہوں نے ارتداد کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تو لوگوں کو جمع کر کے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ اس تقریر سے اہلِ مکہ کے دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا۔ اور وہ ارتداد کی خوفناک آندھیوں میں اسلام پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ اسی سلسلہ میں یمامہ کی مشہور جنگ پیش آئی۔ حضرت سہیلؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ اس جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت سہیلؓ نے بیٹے کی شہادت کی خبر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضورؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو
حضرت علی کرم اللہ وجہہ، شمع رسالت کے پروانے تھے عرض کی۔ "یا رسول اللہ میری کیا مجال ہے کہ میں رسول اللہ کا لفظ مٹاؤں۔"
حضورؐ نے فرمایا۔ "اچھا مجھے دکھاؤ یہ لفظ کہاں لکھا ہے۔" حضرت علیؓ نے اس پر انگلی رکھ دی۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔
جب معاہدہ کی آخری دفعہ لکھی جا رہی تھی تو ایک نہایت دردناک واقعہ پیش آیا۔ سہیل بن عمرو کے سعید الفطرت صاحبزادے ابو جندلؓ نے دعوتِ حق کے آغاز میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ سہیل نے برافروختہ ہو کر انھیں پابندِ سلاسل کر کے قید میں ڈال دیا تھا اور وہ کئی سال سے اپنے باپ اور دوسرے مشرکین کے ظلم وستم سہہ رہے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ کسی طرح زندانِ بلا سے نکل بھاگے اور سیدھے سرورِ کائناتؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ نہایت صبر وسکون کے ساتھ سنی اور فرمایا "میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ شہید اپنے خاندان کے ستر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ میری سب سے پہلے شفاعت کی جائے گی۔"

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے شام پر فوج کشی کی تو حضرت سہیلؓ شوقِ شہادت دل میں لیے لشکرِ مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی معرکوں میں نہایت پامردی سے لڑے۔ شام کی فیصلہ کن جنگ یرموک میں وہ فوج کے ایک دستہ کے افسر تھے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ ایک لڑکی اور ایک پوتی کے سوا سارے گھرانے کو میدانِ جنگ میں لے گئے تھے۔ ان کی اولاد نے راہِ حق میں سر کٹا دیئے اور وہ اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔ ۱۸ھ میں شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو عمواس کے مقام پر انھوں نے بھی دوسرے مجاہدین کے ساتھ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

کی خدمت میں آپہنچے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور سارا جسم کفار کی مار کے نشانات سے داغدار تھا۔ مسلمان ابو جندلؓ کی مظلومانہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ سہیل نے کہا۔ "محمدؐ اس معاہدہ کی شرائط پوری کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ ابو جندلؓ کو میرے حوالے کردو۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابھی معاہدہ پوری طرح قلمبند نہیں ہوا جب اس پر میرے اور تمہارے دستخط ثبت ہو جائیں گے تو اس کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔"

سہیل نے بگڑ کر کہا۔ "اگر ابو جندل میرے حوالے نہ کیا گیا تو ہم کو اس معاہدہ کی کوئی شرط بھی منظور نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابو جندلؓ کو میرے پاس ہی رہنے دو۔"

سہیل نے صاف انکار کر دیا۔ آخر حضورؐ نے کچھ دیر سکوت فرمایا اور پھر ابو جندلؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"اے ابو جندلؓ صبر اور ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے کوئی صورت پیدا کرے گا۔ بہر حال اب صلح ہو چکی اور ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔"

غرض اسی طرح ابو جندلؓ کو واپس پابجولاں جانا پڑا۔ سہیل نے مکہ پہنچ کر ابو جندلؓ کو پھر زندانِ بلا میں ڈال دیا۔ جو شخص ان کی نگرانی پر مامور ہوتا وہ اسے نہایت مؤثر انداز میں دعوتِ حق دیتے۔ اللہ تعالیٰ اسے راہِ ہدایت دکھا دیتا اور وہ بھی تبلیغ حق میں کوشاں ہو جاتا اس طرح بیسیوں آدمی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان دنوں قبیلہ بنی ثقیف کے ایک اور عاشق اسلام ابو بصیر عتبہؓ بن اسید بھی کفارِ مکہ کی قیدِ محن میں زندگی کے دن کاٹ رہے

تھے۔ انہوں نے بھی دعوتِ حق کے آغاز میں ہی دامنِ توحید تھام لیا تھا اور مشرکین کا ہدفِ ستم بن گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن وہ موقع پا کر کفار کی قید سے بھاگ نکلے اور رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں جا پہنچے۔ قریشِ مکہ نے دو آدمی انہیں واپس لانے کے لیے مدینہ بھیجے۔ حضورؐ نے معاہدہ کے مطابق ابوبصیرؓ کو قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس جانے کی ہدایت فرمائی۔ ابوبصیرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ آپ مجھے پھر مشرکین کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے راہِ حق سے برگشتہ کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابوبصیر جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے مصیبت زدہ مسلمانوں کے لیے کوئی صورت پیدا کر دے گا۔"

ابوبصیرؓ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ چل پڑے ذوالحلیفہ پہنچ کر ان کے دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابوبصیر نے ایک سے کہا۔ "جانِ برادر تمہاری یہ تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔" تلوار کا مالک اپنی تلوار کی تعریف سن کر بہت خوش ہوا اور کہا۔ "بیشک یہ تلوار بہت ہی اچھی ہے اور میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔"

ابوبصیر نے کہا۔ "ذرا دکھانا تو۔"

اس نے جھٹ تلوار نیام سے کھینچی اور ابوبصیرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ ابوبصیرؓ نے اسی تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔ دوسرا شخص خوفزدہ ہو کر مدینہ بھاگ گیا اور حضورؐ کے پاس پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ اتنے میں ابوبصیرؓ بھی مدینہ آ پہنچے اور سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ "یا رسول اللہ آپ نے معاہدہ کی شرط پوری کر دی۔ اللہ نے مجھے ہمت دی کہ میں آزاد ہو گیا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابو بصیرؓ جنگ کے شعلے بھڑکانے والا ہے بشرطیکہ اسے چند مددگار مل جائیں۔"

ابو بصیرؓ نے حضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے تو انھیں یقین ہو گیا کہ مدینہ میں میرا رہنا ممکن نہیں۔ چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور ساحلِ سمندر کے قریب ایک مقام عیص کو اپنا مسکن بنا لیا۔ قریش کے آدمی نے مکہ جا کر تمام حالات بیان کیے مشرکین دانت پیس کر رہ گئے۔ ابو جندلؓ کے کانوں میں بھی اس واقعہ کی بھنک پڑ گئی۔ ایک دن موقع پا کر قید سے بھاگ نکلے اور سیدھے ابو بصیرؓ کے پاس "عیص" جا پہنچے۔ اب دوسرے بلاکشانِ اسلام کے لیے بھی راستہ کھل گیا جسے موقع ملتا سیدھا عیص پہنچتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ابو بصیرؓ کے پاس ایک مضبوط جتھہ ہو گیا۔ اب انہوں نے مشرکین سے انتقام لینے کی ایک عجیب تجویز سوچی۔ قریش کے تجارتی قافلے اکثر اس راستے سے گزرتے رہتے تھے۔ اب کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا تو یہ لوگ اس پر حملہ کر دیتے، اہلِ قافلہ کو قتل کر دیتے اور سامانِ تجارت لوٹ لیتے۔ قریشِ مکہ ابو بصیرؓ کے چھاپوں سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کی تجارت معرضِ خطر میں پڑ گئی تھی۔ آخر انہوں نے عاجز آ کر حضورؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم معاہدہ کی آخری شرط کو منسوخ کرتے ہیں۔ آپ ابو بصیرؓ اور اس کی جماعت کو عیص سے مدینہ بلا لیں تاکہ ہمیں اس مصیبت سے نجات ملے۔ آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا اسے آپ بیشک اپنے پاس ہی رکھیں۔

حضورؐ نے قریش کی استدعا قبول فرما اور ابو بصیرؓ کے جتھے کو لکھ بھیجا کہ ابو بصیرؓ اور ابو جندلؓ مدینہ آ جائیں اور باقی لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی[1] وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴿ (سورۂ فتح ۔۳)

ترجمہ:۔ اللہ وہ ہے جس نے مکّہ کی وادی میں دشمنوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے (قابو پانے کے بعد)

جب حضورؐ کا فرمانِ مبارک ابو بصیرؓ کو ملا تو وہ بستر مرگ پر تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو فرمانِ نبوی کی تعمیل کی ہدایت کی اور نامۂ اقدس کو سر آنکھوں پر رکھے ہوئے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت ابو جندلؓ ابو بصیرؓ کو سپردِ خاک کر کے سرورِ کائنات کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور رسولِ اکرم کی رحلت تک مدینہ ہی میں رہے۔ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی جنگوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور کئی سال تک جہاد فی سبیل اللہ کرتے رہے۔ ۱۸ھ میں طاعون کی وبا میں وفات پائی۔

صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے موافق نہ تھیں۔ لیکن درحقیقت یہ صلح اشاعتِ اسلام کے لیے بیحد مفید ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی تمام توجہ اشاعتِ اسلام پر مرکوز کر دی۔ اور ان کی تبلیغی مساعی سے ہزارہا مشرکین دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے اسی لیے اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿ (سورۂ فتح)
(ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ نے حدیبیہ میں اسّی مشرکوں کو گرفتار کیا جو مسلمانوں کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ حضورؐ نے رحم کھا کر ان سب کو رہا کر دیا۔

غزوۂ خیبر سے حجۃ الوداع تک

غزوۂ خیبر میں شرکت

صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ۶ھ کے آخر یا سنہ ہجری کے شروع میں خیبر کی مشہور جنگ پیش آئی۔ خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ یہ عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور یہاں یہودیوں نے باختلافِ روایت چھ سات یا دس مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جن میں کئی ہزار یہودی جنگجو رہتے تھے۔

جنگِ احزاب میں ناکامی کے بعد یہودِ خیبر مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بنو غطفان اور بنو فزارہ کے چار ہزار جنگجوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہودیوں کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہو گئی تھی، اور وہ مسلمانوں سے ایک خونریز اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ سرورِ کونینؐ کو یہودیوں کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے دشمن کو مدینہ منورہ

پر حملہ آور ہونے کا موقع دینے کی بجائے خود آگے بڑھ کر اس سے نبٹنے کا ارادہ فرمایا اور اعلانِ عام کر دیا

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد۔

(ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالبِ جہاد ہوں)

چنانچہ سولہ سو صحابہ کرام کو جنگِ خیبر میں سرورِ کونین کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ ان طالبانِ جہاد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس جنگ میں حضورؐ نے صرف اصحابِ شجرہ کو (یعنی ان چودہ سو صحابہ کرام کو جنہوں نے بیعتِ رضوان کی تھی) اپنے ہمراہ لیا۔ حضورؐ خیبر پہنچے تو یہودیوں نے اپنے تمام قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور قلعوں کے اندر سے تیر اور پتھر برسا کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر مسلمانوں نے تمام قلعے فتح کر لیے۔ ان میں قموص کا مضبوط ترین قلعہ شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر فتح ہوا اور اس قلعہ کا رئیس مرحب جو ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ شیرِ خدا کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا۔ خیبر کے معرکوں میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو گونہ اطمینان ہو گیا! اسلام کے شدید دشمن دو ہی تھے۔ قریش اور یہود۔ قریش سے صلح تھی اور یہود کی قوت خیبر میں پاش پاش ہو گئی۔

فتحِ مکہ

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں فخر الانبیاء سید الرسل رحمتِ عالمؐ دس ہزار

قدوسیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور کفر و شرک کے (اس زمانہ کے) مرکزِ عظیم پر علمِ توحید لہرا دیا اس طرح "کتاب استثناء" کی یہ پیشینگوئی پوری ہوگئی۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (یعنی نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔"

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دس ہزار قدوسی ساتھیوں میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ "فتح مکہ" کا مختصر حال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور بنی بکر قریش کا۔ صلح کے ڈیڑھ سال بعد بنی بکر نے بنی خزاعہ پر دفعتاً حملہ کر دیا اور بڑی سنگدلی سے ان کے مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ بنی خزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے وہاں بھی بے دریغ بنی خزاعہ کا خون بہایا۔ قریش معاہدہ صلح کے مطابق اس بات کے پابند تھے کہ وہ اور ان کے حلیف مسلمانوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اس موقع پر قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی کھلم کھلا مدد کی۔ بنی خزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد عمرو بن سالم کی سرکردگی میں دربارِ رسالت میں بھیجا۔ اس وفد نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر نہایت دردانگیز اشعار کی صورت میں اپنی فریاد پیش کی۔ ان میں سے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اے خدا ہم محمدؐ کو وہ وعدہ یاد دلائینگے جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندانوں کے مابین ہوا ہے۔ اے اللہ کے رسول ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بلا۔ سب اعانت کے لیے حاضر ہوں گے

قریش نے وعدہ خلافی کی اور اس پکے عہد کو جو آپ سے کیا تھا۔
توڑ ڈالا۔

ہمیں خشک گھاس کی طرح روند ڈالا۔

وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کے لیے کوئی نہیں اٹھے گا وہ تو ذلیل اور
قلیل ہیں۔

انہوں نے ہم کو وتیر (بنی خزاعہ کی قیام گاہ) میں سوتے ہوئے جا لیا
ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔"

حضورؐ بنی خزاعہ کی فریاد سے بہت متاثر ہوئے اور قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا دو یا بنی بکر حمایت سے دستکش ہو جاؤ اگر کوئی شرط منظور نہیں تو اعلان کر دو کہ معاہدۂ حدیبیہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش نے حضورؐ کے قاصد کو نہایت تکبر سے جواب دیا۔

" جاؤ ہم محمدؐ کے محکوم نہیں ہیں جو ہمارے جی میں آیا ہم نے کیا۔"

قاصد نے حضورؐ کو قریش کا جواب سنایا تو آپ نے فرمایا " یہ لوگ اب حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کی زیادتیاں ناقابلِ برداشت ہو گئی ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس اثنا میں ابوسفیان نے مدینہ آ کر صلح حدیبیہ کی تجدید کی کوشش کی لیکن اسے بے نیلِ مرام مکہ واپس جانا پڑا۔ حضورؐ نے حلیف قبائل کو بھی بلا بھیجا جب سب آ گئے تو آپ دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو عازمِ مکہ ہوئے۔ مکہ معظمہ سے تقریباً ایک منزل کے فاصلے پر مرالظہران [illegible] لشکر اسلام کی آمد کی خبر قریش

کو بھی مل گئی اور انہوں نے ابو سفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے مرالظہران بھیجا۔ یہ تینوں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ابو سفیان نے اس موقع پر اسلام قبول کر لیا۔ رحمتِ عالم ؐ نے ان کی جاں بخشی کر کے آزاد کر دیا اور فرمایا کہ مکہ جا کر اعلان کر دو کہ میرا مقصد خونریزی نہیں ہے جو لوگ ہم پر ہتھیار نہیں اٹھائینگے انھیں کوئی خطرہ نہیں اور جو اپنا دروازہ بند کرے گا وہ پناہ میں ہے اور جو حرمِ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے حتیٰ کہ جو ابو سفیان ؓ کے مکان میں پناہ گزین ہو گا اس سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ [1]

ابو سفیان ؓ نے مکہ جا کر قریش کو اسلامی افواج کا حال بتایا اور انھیں سرفرازکونین ؐ کی اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسرے دن لشکرِ اسلام نہایت شان و شوکت سے مکہ میں داخل ہوا۔ قریش کے ایک گروہ نے حضرت خالد ؓ بن ولید کے دستے کا

---

[1] ابوداؤد کی روایت کے مطابق اعلان معافی کے الفاظ یہ تھے۔

مَنْ کَفَّ یَدَہٗ وَ اَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ اَلْقٰی سِلَاحَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ تَحْتَ لِوَاءِ اَبِیْ رُوَیْحَۃَ فَھُوَ اٰمِنٌ۔

ترجمہ۔ جو شخص مقابلے سے ہاتھ روکے اور اپنے گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لے امن میں ہے۔ جو شخص ابو سفیان ؓ کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے امن میں ہے۔ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہے جو شخص ابو رویحہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے امن میں ہے۔

مقابلہ کیا۔ لیکن بہت جلد تیرہ لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اس جھڑپ میں تین مسلمانوں نے بھی جامِ شہادت پیا[1] کوکبۂ نبوی لشکرِ اسلام کے درمیان تھا۔ حضورِ اقدسؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ سرِ مبارک جھکا ہوا تھا اور اس پر سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا۔ زبانِ پاک پر سورۂ فتح کی آیات تھیں۔

حضورؐ نے کعبہ کے دروازے پر پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا پھر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس کو تمام بتوں اور دوسری آلائشوں سے پاک کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک مؤثر خطبہ دیا۔ خطبے کے بعد مجمع پر نظر ڈالی تو اس میں قریش کے تمام دشمنانِ اسلام موجود تھے جنھوں نے آپؐ کو اور دوسرے فرزندانِ توحید کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنیوالا ہوں؟"

ان لوگوں نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔"

---

[1] اس روایت کے مطابق جن تین مسلمانوں نے فتح مکہ کے موقع پر جامِ شہادت پیا۔ ان کے نام یہ تھے۔

(۱) حضرت کرزؓ بن جابر فہری۔ (۲) حضرت حبیش الاشعرؓ (نہ کہ حبیش بن اشعر جیسا کہ علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں لکھا ہے۔ (۳) حضرت سلمہؓ بن المیلا۔

بعض دوسری روایات میں ہے کہ مشرکین کے چوبیس ۲۴ یا اٹھائیس ۲۸ آدمی مارے گئے اور دو مسلمان شہید ہوئے جن کے نام کرزؓ بن جابر فہری اور ابو صخر حبیش الاشعرؓ تھے۔ موخر الذکر مشہور صحابیہ ام معبدؓ کے بھائی تھے جن کے خیمہ میں حضورؐ نے سفرِ ہجرت [illegible]

رحمتِ دو عالمؐ نے فرمایا :-

" تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔" (صلی اللہ علیہ وسلم)

سرورِ کونینؐ کے اس بے مثال حسنِ سلوک کا قریش پر یہ ہوا کہ ان کے تقریباً سبھی مرد اسی دن حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

جنگِ حنین

مکہ اور طائف کے درمیان بنو ثقیف اور بنو ہوازن کے قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل بڑے جنگجو اور سرکش تھے۔ فتح مکہ کے بعد ان لوگوں نے اسلام کی طرف مائل ہونے کی بجائے سرکشی پر کمر باندھی اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تل گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اہلِ مکہ کے ان تمام باغوں اور جاگیروں پر قابض ہو جائیں گے جو طائف میں تھے اور مسلمانوں سے بت شکنی کا انتقام بھی لے سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری کی۔ بنی مضر اور بنی ہلال کے قبیلے بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ جلد ہی ان کے چار ہزار جنگجو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ اہل و عیال اور مال مویشی بھی تھے۔ ان لوگوں نے وادیٔ حنین میں آکر پڑاؤ ڈالا۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عزمِ فاسد کی اطلاع ملی تو آپ بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ (جن میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔) ان کے مقابلے کے بڑھے۔ اسلامی فوج میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت مسلمانوں کو اپنی قوت اور کثیر تعداد پر بڑا ناز تھا۔ کچھ لوگوں کے منہ سے نکل گیا۔ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ نازش پسند نہ آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی معرکے میں مسلمان کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ سرورِ کونینؐ اور چند

دوسرے جانبازوں کے سوا سب کے قدم اکھڑ گئے ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دشمنوں نے میدانِ جنگ میں پہلے پہنچ کر مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے ۔ یہ لوگ بلا کے قدر انداز تھے ۔ جونہی مسلمان ان کی زد میں آئے انہوں نے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا ۔ لشکرِ اسلام کے ہراول دستہ میں زیادہ تر مکہ کے نومسلم تھے وہ لوگ ثابت قدم نہ رہ سکے اور سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے ان کی حواس باختگی کا اثر دوسرے مسلمانوں پر بھی پڑا اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی حضورؐ اس وقت کوہِ استقامت بن کر میدانِ جنگ میں کھڑے تھے اور بآوازِ بلند فرما رہے تھے ۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ	میں نبی ہوں اور اس میں اصلا جھوٹ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ	نہیں ہے میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں

عم رسولؐ حضرت عباسؓ قریب ہی تھے حضورؐ نے انھیں حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دیں ۔

حضرت عباسؓ نے نہایت بلند آواز سے نعرہ مارا یا معشر الانصار (اے گروہِ انصار) یا اصحاب الشجرہ (اے اصحاب شجرہ) یہ آواز سنتے ہی سارا لشکرِ اسلام دفعتاً پلٹ پڑا اور اس جوش و وارفتگی سے لڑا کہ لشکرِ کفار کے پرخچے اڑ دیئے ۔ کفار کے بیشمار آدمی مارے گئے اور چھ ہزار کے قریب قیدی بنا لیے گئے ۔ (ان سب کو بعد میں سرورِ عالمؐ نے بغیر کسی فدیہ کے آزاد کر دیا ۔) اس جنگ میں نہایت کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ۔ اسیرانِ جنگ میں رسولِ کریمؐ کی رضاعی بہن حضرت شیماؓ بنت حلیمہ سعدیہؓ بھی تھیں ۔ ان کو حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے عرض کی " یا محمدؐ میں آپ کی رضاعی

بہن شیما ہوں، آپ کی دایہ (رضاعی ماں) حلیمہ رضی اللہ عنہا کی دختر۔"

رسول اللہ :- "تم حلیمہ سعدیہؓ کی بیٹی ہو اس کا ثبوت؟"

شیما :- "میری والدہ آپ کو دودھ پلاتیں اور میں آپ کو کھلایا کرتی تھی۔ ایک روز میں نے آپ کو اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا کہ آپ نے میری پیٹھ میں کاٹ لیا جس کا داغ اب تک موجود ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر وہ داغ حضورؐ کو دکھا دیا۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا کر فرمایا۔ "اس فرش پر بیٹھ جاؤ اگر میرے ساتھ رہنا منظور ہو تو میں تمہارا بھائی ہی ہوں۔ تمہاری توقیر میں فرق نہ آنے دوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا پسند ہو تو اس کا بھی تمہیں اختیار ہے۔"

شیما :- "معزز بھائی میری کچھ مدد فرمایئے۔"

رسول اللہ :- "کیوں نہیں؟ ایک کنیز اور تین غلام حاضر ہیں اور ساتھ ہی بکریوں کا یہ ریوڑ بھی!"

شیماؓ حضورؐ کے حسنِ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ دوسری اشیاء کے علاوہ حضورؐ نے انہیں کچھ رقم بھی دے کر رخصت کیا۔

نیاز فتح پوری مرحوم نے اپنی کتاب "صحابیات" میں محمد بن معلی کی کتاب ترقیص کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورؐ جب بہت چھوٹے تھے تو شیما آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں :-

یا ربنا ابق لنا محمدا ... اے رب محمد کو زندہ رکھ

حتی اراہ یافعا دامردا — حتیٰ کہ ہم اس کو جوان دیکھیں
ثم اراہ سید امستودا — پھر ہم اس کو ایک معزز سردار دیکھیں
داکبت اعادیہ معاد الحسد — اس حال میں کہ اس سے حسد رکھنے والے دشمن سرنگوں
داعطہ عزا یدوم ابدا — ہوں۔ اے رب اس کو عزت دوام عطا کر۔

انصارؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

جنگِ حنین کے بعد حضورؐ نے غنائم جنگ سے زیادہ حصہ قریش کے نومسلموں کو دیا کیونکہ ان کی تالیفِ قلب مقصود تھی۔ انصار کے بعض نوجوان اس حکمتِ نبوی کو نہ سمجھے اور انھوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ ابھی تک ہماری تلواروں سے مشرکین کا خون ٹپکتا ہے لیکن مالِ غنیمت سارا قریش ہی لے گئے۔

حضورؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام انصارؓ کو ایک جگہ جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ "اے گروہِ انصار کیا تم نے واقعی یہ کہا کہ قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے لیکن مالِ غنیمت کا وافر حصہ قریش ہی کو دیا گیا۔"

انصارؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ فی الواقع ہمارے بعض نوجوانوں نے ایسی باتیں کہی ہیں لیکن ہم میں سے کسی سمجھ دار اور ذمہ دار آدمی کے منہ سے ایسی بات نہیں نکلی۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "یا معشرِ انصار کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میں نے تمہیں کفر و شرک کی بھول بھلیوں سے نکال کر طریقِ حق پر لایا۔ اور جنت کا مستحق بنایا۔ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے میں نے تم میں اتفاق پیدا کیا تم

مفلس تھے تم کو تونگر کیا۔ تم قبائلِ عرب میں حقارت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے میں نے تمہیں عزت دی۔"

رسولِ کریمؐ کے ہر ارشاد پر انصارؓ بے ساختہ کہتے جاتے تھے "بیشک اللہ اور اس کے رسول کا احسان بہت بڑا ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔" تم بھی اپنے احسانات بیان کرو۔"

انصارؓ نے عرض کی۔" یارسول اللہ ہم کیا عرض کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔" تم کہو تجھے اپنے گھر سے نکالا گیا ہم نے اپنے گھر میں پناہ دی۔ تیرا کوئی مددگار نہیں تھا ہم نے تیری مدد کی۔ تو محتاج تھا ہم نے تجھے غنی کیا۔ ساری دنیا نے تجھے جھٹلایا ہم نے تیری صداقت کی دل و جان سے گواہی دی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ گے اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے گروہِ انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ بکریاں اور مال و دولت اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔"

رسولِ کریمؐ کے ارشادات سن کر انصارؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور بے اختیار پکار اٹھے۔" ہم کو صرف محمد رسول اللہؐ درکار ہیں۔"

پھر حضورؐ نے فرمایا۔" انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں۔ اے اللہ انصار اور انصار کے لڑکوں پر رحم فرما۔" پھر فرمایا قریش کو اس لیے زیادہ مال دیا گیا ہے کہ ان کی تالیفِ قلب ہو جائے کیونکہ ابھی وہ جدید الاسلام ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے۔"

انصارؓ سرورِ کائناتؐ کی معیت میں اپنے گھروں کو لوٹے تو فرطِ مسرت سے ان کے قدم زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔

غزوۂ تبوک یا جیش العسرۃ

۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ حضورؐ کو خبر ملی کہ قیصرِ روم ایک جرار لشکر کے ساتھ عرب پر دھاوا بولنے والا ہے آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ رومیوں کے مقابلے کی تیاری کریں اور صاحب استطاعت لوگ لشکر کی تیاری کے لیے جو کچھ بھی دے سکتے ہوں، دیں۔ اس سال خشک سالی کی وجہ سے ملک میں قحط پڑ رہا تھا اور شدت کی گرمی پڑ رہی تھی سب پر طرّہ یہ کہ کھجوروں کی فصل پکنے کے بالکل قریب تھی۔ اس موسم میں اہلِ مدینہ باہر نہیں جاتے تھے لیکن حضورؐ کا حکم سنتے ہی سوائے چند منافقوں کے سب مسلمان دل وجان سے جہاد کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے اس موقع پر انہوں نے ایثار خلوص اور فداکاری کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ تاریخِ عالم میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر ایک نے اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر مال اور اسباب پیش کیا، عورتوں نے اپنے زیور اتار اتار کر دے دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے بڑھ گئے اور اپنے گھر میں جھاڑو پھیر کر تمام مال و اسباب یہاں تک کہ سوئی سلائی بھی حضورؐ کے قدموں میں لاکر ڈھیر کر دی۔ غرض آپؐ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے نکلے ان مجاہدین میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔ ۱۴ منزلوں کے پرُصعوبت سفر کے بعد تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔ حضورؐ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور اس کے بعد اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مع الخیر مدینہ کو

معاودت فرمائی۔ چونکہ اس غزوہ میں لشکر کی تیاری اور سفر کے دوران میں مسلمانوں کو بے پناہ مصیبتیں اٹھانی پڑیں اس لیے اس کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔

حجۃ الوداع میں سرورِ عالمؐ کی ہمرکابی

۱۰ھ میں سرورِ عالمؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ کا آخری حج ادا فرمایا۔ اس میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں کو آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت جحفہ سے تین میل دور ایک تالاب (غدیر) پر قیام فرمایا جس کا نام خم تھا۔ یہاں آپ نے صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر خطبہ دیا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ مشہور فقرہ بھی ارشاد فرمایا:-

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

(جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے)

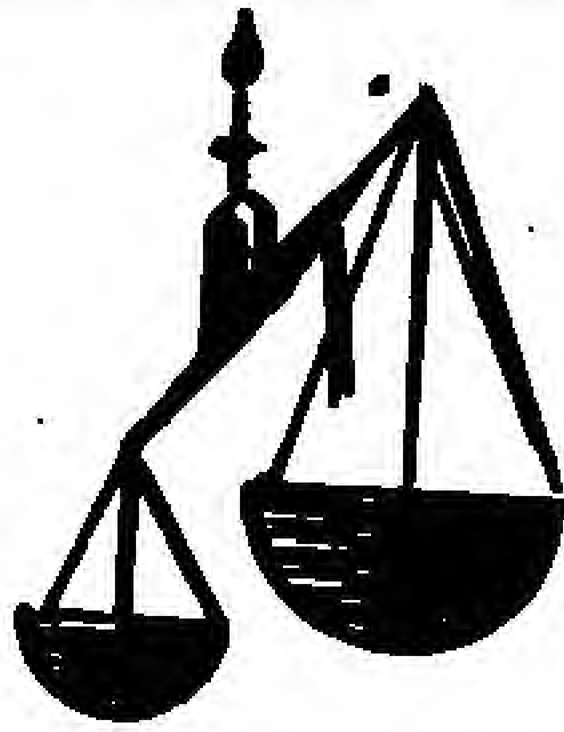
اس موقع پر جو صحابہ موجود تھے ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔

مسند احمد حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ "حضرت علیؓ کے پاس رحبہ میں کچھ لوگ آئے اور کہا۔ "السلام علیک یا مولانا" حضرت علیؓ نے فرمایا میں آپ لوگوں کا مولیٰ کیسے ہو سکتا ہوں؟ آپ لوگ عرب ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہؐ سے سنا تھا من کنت مولاہ فان ھذا مولاہ،

راوی کہتا ہے کہ جب وہ لوگ چلے گئے، میں پیچھے پیچھے گیا۔ دریافت سے

معلوم ہوا کہ چند انصار تھے جن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔"

بعض علماء نے ان روایات کو ضعیف بتایا ہے لیکن عام طور پر اہلِ سیر نے ان پر نکیر نہیں کی یہاں تک کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی سیرۃ النبی میں اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔



حیدرِ کرارؓ کی پُرجوش رفاقت

وصالِ نبویؐ کے بعد

سلہ ہجری میں سرورِ کونینؐ نے رحلت فرمائی۔ حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد رئیس خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ کے وسیع مکان سقیفہ بنی ساعدہ میں (جو انصار کا دارالندوہ تھا) انصار کا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ایک پُرجوش تقریر کی۔ جس میں انصار کی سبقت فی الدین اور راہِ حق میں قربانیاں بیان کیں اور ان کی بناء پر انصارؓ کو خلافت کا مستحق ٹھہرایا۔ انصارؓ کی ایک کثیر تعداد نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کے خیالات کی تائید کی۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ مہاجرینؓ کے دعوئے خلافت کا جواب ہم کیا دیں گے۔ مہاجرینؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچ گئے۔ یہاں انصارؓ و مہاجرینؓ دونوں نے پُرجوش الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انصارؓ کے ایک گروہ جس کے ترجمان حضرت حبابؓ بن المنذر انصاری تھے۔

یہ رائے دی کہ ایک امیر مہاجرینؓ سے ہو اور ایک انصارؓ سے ہو[1]۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے مہاجرین نے ان کی رائے کو رد کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر ایک مؤثر خطبہ دیا جس میں انصارؓ کے محامد کا اعتراف کیا اور پھر مہاجرین کے فضائل اور حقوقِ خلافت بیان کیے۔ ان کا خطبہ ختم ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے صدیقِ اکبرؓ کے فضائل بیان کیے اور کہا کہ وہ ان فضائل کی بناء پر انصار و مہاجرین میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر یکبارگی اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور سب لوگ صدیق اکبرؓ کی بیعت کے لیے لوٹ پڑے۔

اس موقع پر حضرت ابوایوبؓ انصاری کی رائے سب سے جداگانہ تھی۔ ان کی نظر میں قبیلہ یا نسل کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہوں نے اپنے قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ کے دعوئے خلافت کو تسلیم کرنے کی بجائے مہاجرین کو مستحقِ خلافت ٹھہرایا۔ اور پھر مہاجرین میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے فضائل و محامد بیان کیے اور لوگوں کو

---

[1] حضرت حبابؓ المنذر انصاری بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا تعلق خاندانِ خزرج سے تھا۔ ہجرت سے قبل ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ جنگِ بدر، احد، خیبر اور حنین میں مجاہدانہ شرکت کی۔ شاعری میں بھی ملکہ رکھتے تھے ان کے کئی اشعار کتبِ سیر میں محفوظ ہیں۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں وہ سعدؓ بن عبادہ کے زبردست حامی تھے۔ لیکن پھر اپنی رائے میں لچک پیدا کر کے رائے دی کہ ایک امیر انصاری ہو اور ایک مہاجر۔ اس موقع پر ان کی پُرزور تقریریں تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

تلقین کی کہ وہ قاتلِ کفار حضرت اسد اللہ الغالبؓ کی بیعت کریں۔ اگرچہ جمہور مسلمین نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مشورہ کو قبول نہ کیا تاہم ان کی نیک نیتی پر کسی کو شک نہ تھا حضرت ابو ایوبؓ انصاری ان چند صحابہ کرامؓ میں (جن کی تعداد بعض مورخین نے بارہ لکھی ہے) شامل تھے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت میں کچھ عرصہ توقف کیا۔ بعد میں جب انہوں نے بیعت کرلی تو کسی کے دل میں ان کے خلاف ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔

عہدِ فاروقی کے معرکوں میں شرکت

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مختصر عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے عرب کی حدود سے باہر نکل کر جہاد کا آغاز کر دیا تھا لیکن اس دور کے معرکوں میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا نام نہیں ملتا۔ حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو ان کے عہدِ بابرکت میں مجاہدینِ اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے ایشیا اور افریقہ کے لاکھوں مربع میل علاقے کو روند ڈالا اور اس پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔ علامہ واقدی اور بعض دوسرے مورخین نے عہدِ فاروقی کے کئی معرکوں میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام صراحت کے ساتھ لیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض لڑائیوں میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔ فتح مصر کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک لشکر مغرب (شمالی افریقہ) کی تسخیر کے لیے روانہ کیا جو یلغار کرتا ہوا برقہ تک جا پہنچا اور اس پر علمِ اسلام لہرا کر واپس آیا۔ اس لشکر میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔

عام طور پر مؤرخین نے اس عہد میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے کارناموں کی تفصیل

نہیں دی لیکن اتنا ضرور ثابت ہے کہ وہ عہدِ فاروقی کے کئی معرکوں میں ایک پُرجوش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور جہاد کی خاطر بڑے طویل سفر کیے۔

مسلمانوں کی امامت

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت سعد قرظؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لا کر نماز پڑھائیں کیونکہ حضرت عثمانؓ محاصرہ کی وجہ سے مکان سے باہر نہیں نکل سکتے۔ شیرِ خداؓ نے خود نماز پڑھانے سے معذوری کا اظہار کیا اور فرمایا خالد بن زید سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ خالد بن زید حضرت ابو ایوبؓ کا نام تھا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ اس دن پہلی مرتبہ لوگ حضرت ابو ایوب کے اصل نام سے آگاہ ہوئے ورنہ پہلے وہ لوگوں میں اپنی کنیت ہی سے مشہور تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ایوبؓ کئی دن تک مسجد نبوی میں مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔

وظیفہ اور اعزاز میں اضافہ

شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت ابو ایوبؓ کا سالانہ وظیفہ (پانچ ہزار درہم جو انھیں عہدِ فاروقی سے بدری صحابی ہونے کی وجہ سے ملتا تھا) بڑھا کر بیس ہزار درہم کر دیا۔ ان کو بارگاہِ خلافت سے آٹھ غلام بھی ملے ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ان کی تعداد بڑھا کر چالیس کر دی۔

امارتِ مدینہ

خلافتِ مرتضوی کے آغاز میں حضرت سہلؓ بن حنیف انصاری[1] مدینہ کے امیر تھے۔ ۳۶ھ ہجری میں حضرت علی مرتضیٰ نے ان کو کوفہ بلوالیا اور مدینہ منورہ کی امارت پر حضرت ابوایوب انصاریؓ کو مقرر فرمایا۔ اکثر روایات میں ہے کہ جنگِ جمل اور صفین کے وقت آپ مدینہ کے امیر تھے۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ وہ جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے۔ استیعاب کے الفاظ یہ ہیں:۔

قال ابن الکلبی وابن اسحٰق شھد ابوایوبؓ مع علی رضی اللہ عنہ الجمل وصفین وکان مقدمتہ یوم النھروان۔

(ابنِ ہشام اور ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابوایوبؓ جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور نہروان کے دن وہ ہراول لشکر کے سالار تھے۔)

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں:۔

کان ابوایوب الانصاری مع علی رضی اللہ عنہ فی حروبہ کلھا

(ابوایوب انصاریؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام لڑائیوں میں ان کے ساتھ تھے)

---

[1] حضرت سہلؓ بن حنیف قبیلہ اوس سے تھے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مواخاتی بھائی بنایا گیا تھا لیکن دوسرے مؤرخین نے حضرت علیؓ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواخاتی بھائی تحریر کیا ہے۔ حضرت سہلؓ نے جنگِ بدر اور احد میں مجاہدانہ شرکت کی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے عہدِ خلافت میں مدینہ بصرہ اور فارس کے امیر رہے ۳۸ھ میں وفات پائی۔ نہایت شجاع اور خوبرو تھے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہوئے ہوں یا نہیں لیکن خارجیوں کے خلاف نہروان کی مشہور جنگ میں ان کی شرکت تمام مؤرخین کے نزدیک مسلّم ہے۔

جنگِ نہروان

۳۷ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور امیر معاویہؓ کے درمیان صفین کی افسوس ناک جنگ پیش آئی۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد جنگ ملتوی ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ دونوں فریق اپنا اپنا ایک نمائندہ (حَکَمْ) مقرر کریں یہ نمائندے جس کے حق میں فیصلہ کریں وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ چنانچہ دونوں طرف سے سربرآوردہ اشخاص نے اس معاہدہ کو تحریری صورت میں لاکر اس پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ "تحکیم" کے نام سے مشہور ہے۔ تحکیم کے نتیجہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور امیر معاویہؓ کے اختلافات تو کم نہ ہو سکے۔ البتہ مسئلہ تحکیم حیدر کرارؓ کی فوج میں تفریق و اختلاف کا سبب ضرور بن گیا۔ لشکرِ حیدری میں ایک معتدبہ جماعت نے تحکیم کو سخت ناپسند کیا۔ اس جماعت میں قبائل بنو تمیم، مراد، راسب، عنزہ وغیرہ کے ہزارہا لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ تاریخ میں "خوارج" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا موقف یہ تھا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور جو شخص بھی تحکیم سے تعلق رکھے (یعنی آدمیوں کو حکم بنائے) وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ صفین سے کوفہ واپس تشریف لائے تو خارجی عقیدہ کے لوگ آپ کی بیعت سے الگ ہو گئے اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کر کے نہروان میں جمع ہو گئے۔ یہاں انہوں

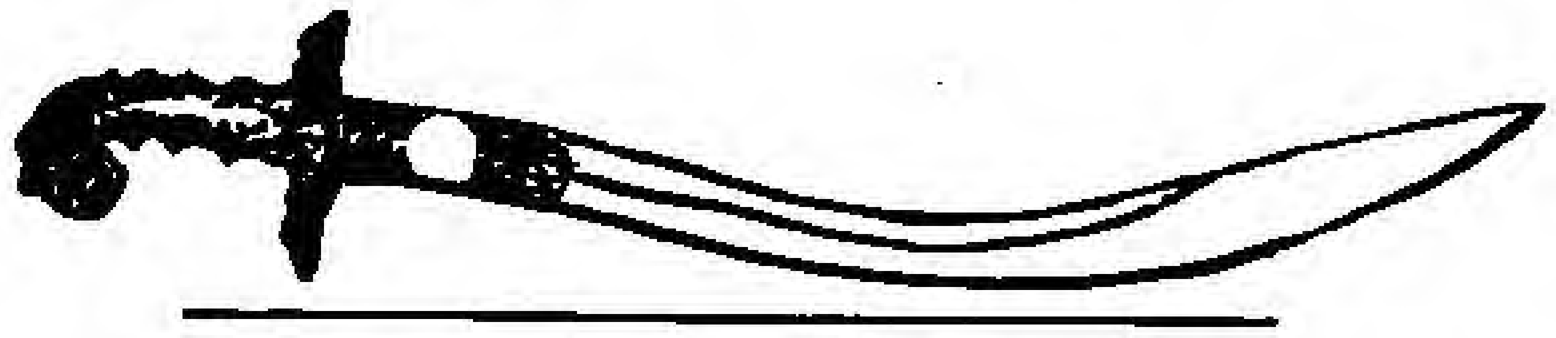
نے اپنے عقیدہ کے مخالف کئی بیگناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا۔ ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ شام پر لشکر کشی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے خوارج کو دعوت دی کہ اپنے فاسد عقائد سے توبہ کر کے میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ لیکن خوارج نے سرکشی کی راہ اختیار کی۔ چارو ناچار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانگئ شام سے پہلے اس فتنہ کے انسداد کی طرف توجہ کرنی پڑی اور آپ نے اپنا لشکر نہروان کی طرف بڑھایا۔ نہروان پہنچ کر آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو افہام و تفہیم کے لیے خارجیوں کے پاس بھیجا۔ دونوں بزرگوں نے خوارج کو راہِ راست پر لانے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ جب دونوں بزرگ اپنے لشکر میں واپس آئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجیوں کے ایک با اثر سردار ابن الکوا کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو شیرِ خداؓ نے اسے جنگ کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا اور تلقین کی کہ وہ لوگ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز آجائیں اور تائب ہو کر خلافتِ راشدہ کی فوجوں میں شامل ہو جائیں۔ ابن الکوا پر شیرِ خداؓ کے ارشادات کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ کی تیاری کی۔ میمنہ کا افسر حضرت حجرؓ بن عدی کو مقرر فرمایا اور میسرہ کا حضرت شیثؓ بن ربعی کو اسی طرح پیادہ فوج پر ابو قتادہؓ کو اور سواروں (یا بروایتِ دیگر مقدمۃ الجیش) پر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کو افسر متعین فرمایا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے اپنا مشہور علم رایۃ الایمان ان کے سپرد کیا۔

لڑائی کے آغاز میں ایک ہزار خارجی توبہ کر کے شیرِ خداؓ کے لشکر سے آملے۔ اور

تھوڑی سی تگ و دو کے بعد وہ لاش مل گئی۔ اس میں سرورِ کونینؐ کی بتائی ہوئی تمام علامات موجود تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے یہ لاش دیکھ کر فرمایا:۔

" اللہ اکبر۔ خدا کی قسم اللہ کے رسولؐ نے کتنا صحیح ارشاد فرمایا تھا۔"

جنگِ نہروان میں حضرت ابوایوبؓ انصاری نے دوسرے جاں نثارانِ علیؓ کے ساتھ جس جوانمردی اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا وہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔ ابنِ ملجم جس کے دستِ ستم سے صاحبِ ذوالفقارؓ کو جامِ شہادت پینا پڑا۔ اسی بدبخت گروہِ خوارج سے تعلق رکھتا تھا۔ بنوامیہ کے دور میں بھی خوارج کا بڑا زور رہا۔ اگر بنوامیہ کو مہلب جیسا جری اور ماہرِ جنگ سپہ سالار خوارج سے نبرد آزما ہونے کے لیے نہ مل گیا ہوتا تو شاید آج تاریخ اسلام کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔



میدانِ جہاد میں سفرِ آخرت

ایک عظیم بشارت

سرورِ کائنات ﷺ ایک دن مشہور صحابیہ حضرت اُمِّ حرام[1] بنت ملحان کے گھر دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ فرما رہے تھے۔ یکایک حضورؐ نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں۔

---

[1] حضرت اُمِّ حرامؓ بنتِ ملحان مشہور صحابیہ ہیں۔ اصل نام معلوم نہیں۔ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔ اُمِّ حرام بنتِ ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ ان کی والدہ ملیکہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھیں۔ حضرت اُمِّ حرامؓ رسولِ اکرمؐ کی پردادی سلمیٰ (والدہ حضرت عبدالمطلب) کی پوتی تھیں اسی نسبت سے وہ رسولِ کریمؐ کی خالہ مشہور ہیں۔ حضرت اُمِّ سُلَیمؓ بنت ملحان ان کی حقیقی بہن تھیں اور حضرت انسؓ بن مالک حقیقی بھانجے۔ پہلے شوہر حضرت عمروؓ بن قیس انصاری تھے ان کے بعد حضرت عبادہؓ بن صامت کے نکاح میں آئیں۔ رسولِ اکرمؐ کبھی کبھی حضرت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اُمّ حرامؓ نے پوچھا۔ "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے خواب میں میری امّت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے جو سمندر میں جہاز پر سوار تھے اور ان کی شان بادشاہانِ مسند نشین کی سی تھی۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے۔" حضرت اُمّ حرامؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔"

حضورؐ نے حضرت اُمّ حرامؓ کے حق میں دعا فرمائی اور پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہی خواب زبانِ مبارک پر تھا حضرت اُمّ حرامؓ نے پھر سابقہ دعا کے لیے درخواست کی۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں تم اسی جماعت کے ساتھ ہو۔"

حضرت اُمِ حرامؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے اس موقع پر یہ الفاظ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اُمّ حرامؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں آرام فرماتے تھے (اسی طرح اُمّ سُلَیمؓ کے ہاں بھی) جب سے حضورؐ نے حضرت اُمّ حرامؓ کو غزوہ بحر کے بارے میں بتایا تھا وہ اس غزوہ میں شامل ہونے کے لیے بے تاب رہتی تھیں۔ چنانچہ ۲۸ھ میں مسلمانوں نے قبرص پر چڑھائی کی تو وہ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئیں۔ فتح کے بعد گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئیں اور قبرص ہی میں وفات پائی۔ حضرت اُمّ حرامؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ رسولِ کریمؐ ان کی بڑی عزت کرتے تھے ——— اولاد میں تین لڑکے چھوڑے۔ عمروؓ بن قیس سے عبداللہ بن قیس اور عبادہؓ بن صامت سے محمد۔

ارشاد فرمائے

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْ۔

(یعنی میری اُمّت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی۔ اس پر جنّت واجب ہوگئی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر سرورِ کونینؐ کے الفاظ مبارک یہ تھے۔

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ۔

(یعنی میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کریگا۔ اس کے لیے مغفرت ہے)

ایک اور روایت کے مطابق سرورِ کائناتؐ نے ایک موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

تفتحن القسطنطنیہ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا۔

(یعنی قسطنطنیہ فتح کیا جائے گا اور کیا اچھا ہے وہ امیر جو اس کی فتح کا امیر ہو اور کیا اچھی ہے وہ فوج جو اس فتح کی حاصل کرنے والی ہو۔)

ان بشارت ہائے عظیمہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ اور دوسرے مسلمان ایک مدت سے غزوۂ روم میں شرکت کے متمنی تھے۔ قدرت نے یہ موقع حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں اور پھر امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں مہیا کر دیا۔

فضیلتِ جہاد

کلامِ پاک اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد فی سبیل اللہ کے بیشمار فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ سورۂ بقر میں ارشاد ہوا ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ کُمْ۔

(اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں)

سورۂ صف میں ارشاد ہوا ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔

(اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ میں صف باندھ کر (اس طرح جم کر) لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہے اینٹ سے اینٹ ملی ہوئی)

اسی سورت کی بارھویں آیت ان مجاہدین کے بارے میں ہے جو دشمنانِ حق کے مقابلہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ ان مجاہدین کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جنّتِ ابدی کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاؤں جہاد کی راہ میں آلودہ ہوئے ہوں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کو جہنم کی آگ چھو جائے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جہاد کے راستے ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار ہو یا جہاد میں جاگے اس پر نارِ دوزخ حرام ہے۔

جہاد کے ایسے ہی فضائل تھے جو صحابۂ کرامؓ اور سچے مسلمانوں کے دل میں ہر وقت شوقِ جہاد کا شعلہ فروزاں رکھتے تھے۔ جہاد کا مقصد ملک گیری اور غارت گری

نہ تھا بلکہ اسلام نے اسے ایک ایسی عبادت بنا دیا تھا جس کا مقصد ایک طرف اپنی مدافعت کرنا تھا اور دوسری طرف اعلائے کلمۃ الحق اور مظلوموں کو جابروں اور ظالموں کے دستِ تعدّی سے بچانا تھا۔ قرنِ اوّل میں قیصرِ روم کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کے اوّلیں مقاصد یہی تھے۔ البتہ رسولِ اکرمؐ کی بشارت کا مصداق بننے کی خواہش نے ان کے شوقِ جہاد کو دوچند کر دیا تھا۔

قیصرِ روم کے خلاف اعلانِ جہاد

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں قیصرِ روم نے مسلمانوں کے خلاف خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس نے پانچ سو جہازوں کا ایک زبردست جنگی بیڑا سواحلِ شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ امیر معاویہؓ والیٔ شام نے امیرالمومنینؓ کی اجازت سے عبداللہؓ بن ابی سرح کی قیادت میں ایک اسلامی بیڑا مرتّب کیا اور رومیوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ دونوں بیڑوں میں ہولناک جنگ ہوئی۔ رومی بیڑا تابِ مقاومت نہ لا سکا اور اپنے ہزاروں سپاہی کٹوا کر نہایت بری طرح پسپا ہوا۔ ۲۷ھ یا ۲۸ھ ہجری میں امیر معاویہؓ نے ایک زبردست بحری بیڑا جزیرہ قبرص پر حملہ کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی شامل تھے۔ ان میں مشہور صحابی حضرت عبادہؓ بن صامت اور ان کی زوجہ حضرت اُمِّ حرامؓ بنت ملحان بھی تھیں۔ اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو فتح دی اور انہوں نے قبرص پر اسلامی علم لہرا دیا۔ واپسی کے وقت حضرت اُمِّ حرامؓ گھوڑے سے گر پڑیں اور سخت زخمی ہو گئیں۔ اسی صدمہ سے انہوں نے وفات پائی اور سرزمینِ قبرص کو ان کا مدفن بننے کی سعادت

نصیب ہوئی۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہی اسلامی لشکر سرورِ کونینؐ کی بشارت کا مصداق تھا لیکن اکثر اربابِ سیر کے نزدیک رسولِ اکرمؐ کی بشارت کا مستحق وہ اسلامی لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر پہلی دفعہ حملہ کیا اور جس میں حضرت ابوایوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔

جہادِ قسطنطنیہ

قسطنطنیہ (جس کا سابق اسلامی نام اسلامبول اور موجودہ نام استنبول ہے اور جو ترکی کا ایک اہم ترین شہر اور بندرگاہ ہے) ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ ابتدا میں یہ بزنطائن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ۳۲۶ء میں سلطنتِ روما کے زبردست بادشاہ قسطنطین اعظم نے موجودہ شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت سے سلطان محمد فاتح کے زمانے تک یہ شہر مسلسل قیصرانِ روم کا پایۂ تخت رہا۔

امیر معاویہؓ نے باختلافِ روایت ۴۸-۴۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں ایک اسلامی لشکر اس شہر کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق اس لشکر کی قیادت سفیان بن عوف کے سپرد تھی۔ لیکن اکثر روایات میں ہے کہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہؓ تھا۔ یزید تاریخِ اسلام کی ایک بدنام ترین شخصیت ہے۔ کیا اس کی شرکتِ جہاد اور قیادتِ مجاہدین اسے رسولِ اکرمؐ کی بشارت کا مستحق بناتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک علمی بحث ہے اور ہماری کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والے اسلامی لشکر میں حضرت ابوایوبؓ انصاری اپنی کبر سنی کے باوجود ایک عام مجاہد (سپاہی)

کی حیثیت سے شریک تھے۔

"تذکرہ حفاظِ شیعہ" (مصنفہ سید علی نقی) میں ہے کہ:۔

"کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو (یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کو) خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں یزید بن معاویہ کی سپہ سالاری میں جنگ کرنے تک سے آپ نے گریز نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ کفار سے جہاد میں اگرچہ فاسق و فاجر اشخاص کی ماتحتی میں ہو۔ سچی نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے۔ اس لیے روم کی جنگ میں جو معاویہ کے حکم سے یزید کی ماتحتی میں افواج روانہ کی گئی تھیں۔ ان میں ابوایوبؓ انصاری بھی موجود تھے اور وہیں قسطنطنیہ میں ۵۲ھ میں انتقال کیا۔"

اسلامی لشکر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ مصر و شام وغیرہ کے مجاہدین کو الگ الگ فوجی دستوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مصری دستہ فوج کے قائد حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی تھے۔ ایک دستے کے امیر حضرت فضالہؓ بن عبید اور ایک کے حضرت خالد سیف اللہؓ کے فرزند عبدالرحمٰن تھے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوبؓ انصاری اس فوجی دستے میں شامل تھے جس کے سر عسکر حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید تھے۔ اس جہاد کے موقع پر حضرت ابوایوبؓ انصاری کی عمر ۸۰ برس سے اوپر تھی۔ لیکن آپ کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ اس ضعیف العمری کے باوجود مدینہ منورہ سے شام تک محض شرکتِ جہاد کے لیے سفر کیا۔ اور پھر ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شامل ہوئے۔ حالانکہ

اس لشکر کے قائدین اور افسران میں سے کوئی شخص بھی کسی لحاظ سے ان پر فوقیت نہیں رکھتا تھا۔ فی الحقیقت وہ "صاحبِ بدر" اور "صاحبِ شجرہ" ہونے کی وجہ سے لشکرِ اسلام میں مہرِ عالمتاب کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی موجودگی عساکرِ اسلامیہ کے لیے برکت کا باعث تھی اور اس سے ان کے حوصلے دوچند ہو گئے تھے امیر معاویہؓ نے اسلامی بیڑے کو ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس کیا اور پھر ایک دن یہ بیڑا شوقِ شہادت سے سرشار ہزارہا مجاہدین کو لے کر ساحلِ شام سے عازمِ قسطنطنیہ ہو گیا۔ رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کو مسلمانوں کی لشکر کشی کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی اپنی مدافعت کے لیے زور شور سے تیاری کی اور چند ہی دنوں میں ہزارہا مسیحی جنگجو کیل کانٹے سے لیس ہو کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اسلامی بیڑا بحرِ روم سے گزر کر آبنائے باسفورس میں داخل ہو گیا اور قسطنطنیہ کے سامنے ایک موزوں جگہ پر لنگر انداز ہو کر مجاہدین کو خشکی پر اتار دیا۔

میدانِ رزم میں

رومیوں نے مسلمانوں کو دم لینے کی بہت کم مہلت دی اور ان کا ایک جرار لشکر قسطنطنیہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مسلمان بھی لڑائی کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے نہایت استقلال اور ہمت سے رومیوں کے حملہ کو روکا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کی صفوں میں گھسے پڑتے تھے۔ ایک مجاہد (جن کا نام بعض روایتوں میں عبدالعزیز بن زرارہؓ بیان کیا گیا ہے) ایک بار تنہا رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ مسلمان انھیں اس طرح

اپنی جان خطرے میں ڈالتے دیکھ کر پکار اٹھے کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے۔

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ

(تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

اس موقع پر حضرت ابو ایوبؓ انصاری آگے بڑھے اور اسلامی لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "مسلمانو تم نے اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہے؟ حالانکہ اس کے حقیقی معنی اس کے برعکس ہیں۔ زمانۂ امن میں انصار نے ارادہ کیا تھا کہ جہاد میں مصروف رہنے کی وجہ سے ان کے کاروبار اور تجارت کو جو نقصان پہنچا ہے۔ اس کی تلافی کریں۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ جہاد میں نقصان اور ہلاکت نہیں بلکہ جہاد سے کنارہ کشی کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

سنن ابو داؤد میں اسلم ابو عمرانؒ سے جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ روایت مروی ہے۔

" اسلم ابو عمرانؒ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید ہمارے سردار تھے اور رومیوں کی پشت شہر پناہ (فصیلِ قسطنطنیہ) سے متصل تھی۔ ہمارے ایک آدمی نے تنہا دشمن پر حملہ کیا۔ لوگوں نے اس کو روکا اور کہا کہ یہ شخص اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ حضرت ابو ایوب نے فرمایا کہ آیت لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ہم گروہِ انصار کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت عطا فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا کیا تو ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب ہم اپنے مال

کی حفاظت میں رہیں (اس خیال کو دور کرنے کے لیے) حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو ہلاکت میں ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کی حفاظت کریں اور جہاد چھوڑ دیں۔

ابوعمرانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوبؓ ہمیشہ راہِ حق میں جہاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔"

غرض مجاہدینِ اسلام نے بہت جلد رومیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ وہ پسپا ہو کر شہر میں جا گھسے اور فصیلِ شہر کے دروازے بند کر لیے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اس کی تسخیر کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔

مرض الموت اور وصیّت

جن دنوں اسلامی لشکر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ یورپ کی آب و ہوا مسلمانوں کی طبائع پر بڑا برا اثر ڈال رہی تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کی کثیر تعداد بیمار ہو گئی۔ بہت سے مجاہدین بیماری[1] سے جانبر نہ ہو سکے۔ اسی موقع پر حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی سخت بیمار ہو گئے۔ جب ان کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو امیرِ لشکر یزید ان کی خدمت میں عیادت کے لیے حاضر ہوا اور کہا۔ "آپ کی کوئی وصیت ہو تو فرمایئے۔"

حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا:۔

---

[1] اکثر مؤرخین نے اس بیماری کو "وبائے عام" کا نام دیا ہے۔ غالباً یہ آنتوں کی کوئی بیماری تھی جس میں مریض کو اسہال آتے تھے۔

"جب میں مر جاؤں تو مسلمانوں کو میرا سلام پہنچا دینا اور ان کو بتا دینا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں انتقال کر جائے کہ رب واحد کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کرے گا۔ اور میرا جنازہ سرزمین عدو میں جہاں تک تم لے جا سکو لیجا کر دفن کرنا"۔ [1]

یزید نے ان کی وصیت پوری کرنے کا عہد کیا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ سالِ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ مختلف مؤرخین نے ۵۰، ۵۱، ۵۲ یہاں تک ۵۵ ہجری بھی لکھا ہے۔ اس اختلاف کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کے گرد جنگ سات سال تک جاری رہی اور اسی دوران میں کسی سال حضرت ابو ایوبؓ نے وفات پائی۔

تدفین

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات سے مسلمانوں پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ امیرِ لشکر نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور پھر تمام فوج ہتھیار سجا کر آپ کی میت کو قسطنطنیہ کی دیوار کے عین نیچے لے گئی اور وہاں اسلام کے اس بطلِ جلیل کو

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرت ابو ایوبؓ نے یہ حدیث بھی بیان کی کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی تاکہ وہ ان کی مغفرت کرے۔

سپردِ خاک کر دیا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ تدفین کے بعد امیر لشکر کے حکم سے آپ کی قبر زمین کے برابر کر دی گئی تاکہ رومی مزار مبارک کے ساتھ کوئی بے ادبی نہ کر سکیں۔ صاحبِ عقد الفرید کا بیان ہے کہ قیصر قسطنطین چہارم کو رات کے وقت مسلمانوں کی ہلچل کی اطلاع ملی تو اس نے قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ رات کو کیا معاملہ تھا۔ مسلمان چونکہ سچ بولنے کے عادی تھے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے پیشوائے اعظم محمد رسول اللہ کے ایک بزرگ صحابی کا انتقال ہو گیا تھا ہم لوگ ان کی تدفین میں مصروف تھے۔

قیصر نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے جاؤ گے تو ہم قبر کھود کر ان کی ہڈیاں باہر پھینک دیں گے۔

قیصر کے گستاخانہ کلام پر مسلمانوں کا خون کھول اٹھا۔ یزید نے قیصر کو پیغام بھیجا کہ " اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو خدا کی قسم یاد رکھو کہ مسلمانوں کی وسیع المحدود حکومت میں جتنے گرجے ہیں سب کو منہدم کر دیا جائے گا اور عیسائیوں کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے گا۔"

یزید کے اس انتباہ کا قیصر پر خاطر خواہ اثر ہوا اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ " میں تمہاری دینی غیرت و حمیت کا امتحان لے رہا تھا۔ کنواری مریم کی قسم ہم تمہارے نبیؐ کے صحابیؓ کی قبر کا اکرام اور اس کی حفاظت و حراست کریں گے۔"

مؤرخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے فی الواقع اپنے عہد کا احترام کیا۔ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ قیصرِ روم نے خود حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزارِ اقدس پر قبہ تعمیر کرایا۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ رومی قحط کے زمانے میں حضرت ابوایوبؓ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے اور آپ کے توسل سے بارش کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ میزبانِ رسولؐ کے نام کی لاج رکھ لیتا تھا اور ان کی مراد پوری کر دیتا تھا۔"

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلے گئے۔ فتح قسطنطنیہ کی سعادت اللہ تعالیٰ نے تقریباً آٹھ سو سال بعد سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھ رکھی تھی۔ امتدادِ زمانہ سے حضرت ابوایوبؓ کا مزار مبارک زمین میں مستور ہو گیا اور سالہا سال تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ میزبانِ رسولؐ کا جسدِ مبارک کہاں مدفون ہے۔ جب ۸۵۷ھ میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر علمِ اسلام لہرایا۔ تو اس وقت مزار مبارک کو زمین کھود کر برآمد کیا گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فتح قسطنطنیہ

قسطنطنیہ کی فتح تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔ ۸۰۳ھ میں جب تیمور لنگ نے انگورہ کے میدان میں سلطان بایزید یلدرم کو شکست دی تو دنیا نے سمجھ لیا کہ ترک ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے لیکن کسے معلوم تھا کہ اسی بایزید یلدرم کی اولاد میں ایسے ایسے اولو العزم، بلند حوصلہ، جری اور کامیاب بادشاہ ہوں گے کہ جن کی ہیبت سے سلاطینِ یورپ تھرائیں گے اور جن کی سطوت و اقتدار اور جاہ و جلال کا علم لاکھوں مربع میل زمین پر لہرائے گا۔ اسی سلطان بایزید یلدرم

کے پڑپوتے سلطان محمد ثانی نے ۸۵۷ھ ہجری میں رومیوں کے عظیم الشان تاریخی پایۂ تخت قسطنطنیہ پر صلیب کی بجائے اسلام کا پرچم لہرا دیا اور مؤرخینِ عالم سے "فاتح" کا سچا خطاب پایا۔ قسطنطنیہ کی فتح کا خیال قرنِ اوّل ہی سے مسلمانوں کے دل میں تھا۔ ان کی فتوحات نے ایک دنیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ لیکن کاتبِ تقدیر نے فتح قسطنطنیہ کی عظیم سعادت اور شہرت کو سلطان محمد فاتحؒ ہی کی ضربِ شمشیر اور عزمِ راسخ کے لیے قلمبند کر رکھا تھا۔ یہ یکتائے زمانہ مجاہد خاندانِ عثمانیہ کا ساتواں تاجدار تھا۔ اپنے باپ سلطان مراد ثانی کی وفات کے بعد ۸۵۵ھ ہجری میں اکیس سال کی عمر میں تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے ایشیائی امرا کی سرکشی کا خاتمہ کیا اور طربزدن اور قرہ مان کی ریاستوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تمام تر توجہ قسطنطنیہ کی فتح کی طرف مبذول کر دی۔ سلطان نے پہلے باسفورس کے یورپی ساحل پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا۔ یہ قلعہ اس حصار کے مقابل بنایا گیا جو سلطان بایزید نے اور ایک روایت کے مطابق سلطان محمدؒ اوّل نے ایشیائی ساحل پر تعمیر کرایا تھا۔ یہ دونوں قلعے آج بھی باسفورس کے پرشوکت کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اوّل الذکر رومیلی حصار کے نام سے مشہور ہے۔ اور مؤخر الذکر اناطولیہ حصار کے نام سے۔

قلعہ کی تعمیر کے بعد سلطان محمد نے قسطنطنیہ کے حصار کے لیے زور و شور سے سامانِ جنگ تیار کرانا شروع کیا۔ ہنگری کے ایک کاریگر سے متعدد دیو پیکر توپیں بنوائیں جن کے کھینچنے کے لیے ساٹھ ساٹھ جوڑ بیل لگتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں ایک توپ بارہ من وزن کا سنگی گولہ ایک میل تک پھینک سکتی تھی۔ سلطان

کے حکم سے یہ توپ قلعہ کے برج پر لگائی گئی اور آتش فشانی کے بشمار آلات بھی جمع کر لیے گئے۔ سلطان نے قلعہ میں چار سو سپاہی خاص اس غرض کے لیے متعین کر دیئے کہ جو جہاز ادھر سے گزرے اس سے محصول وصول کریں۔ غرض اس طرح قسطنطنیہ کے محاصرے کا آغاز کر دیا گیا۔ دوسرے سال سلطان ادرنہ سے خود نوے ہزار کا جرّار لشکر لے کر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ برکت کے لیے سلطان نے اپنے مرشد حضرت شیخ شمس الدین کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا[1]۔ سمندر کی طرف سے

---

[1] شمس الملت والدین آقا (آق) شمس الدین کا شمار سلطان محمد فاتح کے عہد کے سرآمدِ روزگار صوفیہ میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام محمد بن حمزہ تھا اور وہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے تھے۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ہمراہ چھوٹی عمر میں ہی بلادِ روم میں آئے۔ یہاں آکر علوم متداولہ کی تکمیل کی اور مدرسہ عثمانجق کے معلم ہو گئے۔ ان کا فطری رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس زمانے میں بلادِ روم میں ایک خدا رسیدہ درویش حاجی بیرام کے فضل و کمال کی بڑی شہرت تھی لیکن آقا شمس الدینؒ کا دل ان کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کا قاعدہ تھا کہ غربا و مساکین کی امداد کرنے اور قرضداروں کے قرض اتارنے کے لیے وہ بازاروں میں گھوم پھر کر صاحبِ حیثیت لوگوں سے چندہ وصول کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آقا شمس الدینؒ باطنی فیوض کے لیے ایک دوسرے بزرگ شیخ زین الدین خافیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں ایک رات خواب میں دیکھا کہ ان کے گلے میں زنجیر پڑی ہے اور اس کا دوسرا سرا حاجی بیرام کے ہاتھ میں ہے۔ خواب سے بیدار ہو کر سیدھے عثمانجق جا کر حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچے وہ اس وقت اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتی کاٹ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے لیے سلطان نے امیر البحر بالطہ اوغلی سلیمان بک کی قیادت میں جنگی جہاز روانہ کیے۔ ادھر قیصر نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رہے تھے۔ آقا بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس سے فارغ ہوئے تو کھانا آیا۔ اس کا ایک حصہ کتوں کے سامنے رکھ دیا گیا اور باقی حاجی صاحب اور ان کے ساتھی کھانے لگے۔ انہوں نے آقا کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ کھانے کی دعوت دی۔ آقا اٹھے اور کتوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے۔ حاجی بیرامؒ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ "نوجوان ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو تم نے تو میرے دل کو موہ لیا ہے۔" غرض وہ حاجی بیرامؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور تھوڑے سے ہی عرصے میں ان کی توجہ سے درجۂ کمال پر پہنچ گئے۔ وہ نہ صرف علوم شریعت و طریقت کے متبحر عالم تھے بلکہ ایک حاذق طبیب بھی تھے۔ ایک دفعہ خلیل پاشا وزیر کا بیٹا سلیمان چلبی سخت بیمار ہو گیا اور اس کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ وزیر نے اس نازک وقت میں آقا کو اس کے علاج کے لیے بلا بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچے اطبائے شاہی مریض کے گرد بیٹھے تھے۔ آقا نے پوچھا کیا مرض تشخیص کیا۔ انہوں نے نام بتایا۔ فرمایا "نہیں سرسام کا علاج کرنا چاہیئے۔" سب نے کہا۔ "نہیں اس سے مریض یقیناً موت کے منہ میں چلا جائے گا۔" آقا نے اپنی رائے پر اصرار کیا۔ اس پر سب اطباء وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ آقا نے فوراً قلم اٹھا کر نسخہ لکھ دیا۔ اس کے استعمال کراتے ہی مریض کو افاقہ ہو گیا اور وہ بہت جلد صحت یاب ہو گیا۔ آقا فرماتے تھے کہ اگر میں خاموش رہتا تو یہ طبیب مریض کو مار ڈالتے۔

سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو اس نے آقا شمس الدینؒ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زبردست جنگی تیاریاں کیں اور اسلامی بیڑے کا راستہ روکنے کے لیے غلطہ سے استنبول تک سمندر میں بڑی مضبوط زنجیریں باندھ دیں اور اپنے جنگی جہاز ان کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیئے۔ قیصر کی امداد کے لیے جنیوا کا جنگی بیڑا بھی آ پہنچا اور مسلمانوں کے لیے سمندر کی طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی کوئی صورت نہ رہی۔ اسلامی لشکر نے قسطنطنیہ سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا اور رات دن شہر کی تسخیر کے منصوبے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اس موقع پر سلطان نے ایک ایسا محیرالعقول کام کیا کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سلطان کے حکم سے ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اس پر چھ میل تک صنوبر کی لکڑی کے موٹے تختے بچھا دیئے اور ان پر روغن اور چربی مل کر ایسا چکنا کیا کہ جو چیز ان تختوں پر رکھی جاتی پھسلی جاتی۔ مجاہدینِ اسلام نے راتوں رات ۸۰ سریع الحرکت کشتیاں اور متعدد بڑے جہاز اس عجیب و غریب راستہ پر چلا کر گولڈن ہارن میں قسطنطنیہ کی فصیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ اور ایک دوسرے بزرگ آقا داق بیق دونوں سے دعا کی درخواست کی۔ آقا بیق مجذوب تھے وہ تو خاموش رہے لیکن آقا شمس الدینؒ نے بڑے خشوع و خضوع سے سلطان کی فتح کے لیے دعا مانگی۔ اس کے بعد جب سلطان قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا تو اس نے آقا شمس الدینؒ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ فتح کے بعد سلطان نے آقا کی خدمت میں دو ہزار اشرفی پیش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کی۔ بعد میں وہ سلطان سے رخصت ہو کر اپنے وطن تشریف لے گئے اور باقی ساری عمر وعظ و ہدایت اور درس و تدریس میں گزار دی۔ سالِ وفات معلوم نہیں۔

کے نیچے سمندر میں اتار دیئے۔ اثنائے راہ جہاں کہیں ان کو بلندی پر چڑھانا ہوتا وہاں رولروں اور گراریوں سے کام لیا جاتا۔ اتنے عظیم بیڑے کو خشکی پر چلتا دیکھ کر دشمن پر ناامیدی اور ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ رومیوں نے بہر صورت مقابلہ جاری رکھا۔ سلطان کی بری فوج نے بھی مناسب فاصلہ پر توپیں اور دوسرے آتش فشاں آلات نصب کر دیئے۔

سلطان نے قسطنطنیہ پر عام حملہ کے لیے ۱۰ جمادی الآخر ۸۵۷ھ کا دن مقرر کر دیا۔ نو اور دس جمادی الآخر کی درمیانی شب لشکر گاہ میں چراغاں رہا اور مجاہدین اسلام سلطان سمیت نہایت خشوع و خضوع سے دعا و عبادت میں مصروف رہے۔ صبح ہوتے ہی اسلامی فوج نہایت جوش و خروش سے شہر کی طرف بڑھی۔ سلطان نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں جن میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ آیات سن کر ہر مجاہد کے دل میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اسلامی فوج کے پیچھے علماء اور مشائخ کا گروہ تھا جو مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ رومیوں نے نہایت پامردی اور جرأت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کی بے پناہ یلغار کے سامنے ان کے قدم زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے۔ ادھر سلطانی توپوں کے گولوں سے فصیل شہر میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے اور مسلمان فوج تکبیر کے نعرے لگاتی شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ قیصر قسطنطین لڑتا ہوا مارا گیا اور رومیوں نے ہتھیار پھینک کر اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح ۵۲ دن کے پُرصعوبت محاصرے کے بعد شہر فتح ہو گیا۔

شقائق النعمانیہ کے ترک مصنف نے اس موقع کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

" جبکہ وقتِ موعودہ آگیا اور شہر کسی طرح فتح نہ ہوا تو سلطان کا وزیر بیحد خوفزدہ اور پریشان ہو گیا۔ وہ اضطراب کی حالت میں شیخ العصر شمس الدینؒ کے خیمے کی طرف گیا۔ لوگوں نے اسے روکا کہ شیخ نے تاکید کر رکھی ہے کہ کسی کو ان کے خیمے کے اندر نہ آنے دیں۔ لیکن وزیر سراسیمگی کے عالم میں ان کے خیمے کے اندر جا گھسا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شیخ سجدہ میں پڑے ہیں۔ سر برہنہ ہے اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا کر رہے ہیں۔ چند لمحوں کے بعد شیخ یکایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ زور شور سے تکبیر کہی اور فرمایا۔

الحمد للہ الذی فتحنا ھذہ المدینہ ط

(اس اللہ کا شکر جس نے اس شہر کی فتح ہمیں مرحمت فرمائی)

وزیر کہتا ہے کہ شیخ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سنتے ہی میں نے شہر کی طرف پلٹ کر دیکھا تو اسلامی فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی۔"

سلطان سجدۂ شکر میں پشتِ زین پہ سر رکھے ہوئے شہر میں داخل ہوا اور اس عظیم الشان شہر پر علمِ اسلام لہرا دیا۔ کسی نے اس فتح عظیم کی کیا خوب تاریخ کہی ہے۔

دام امرا لفتح قوم اولون

جاذہ بالنصر قوم آخرون
۸۵۷

بعض نے اس کا مادہ تاریخ " بلدۃ طیبۃ " سے نکالا ہے۔ سلطان نے رومیوں کے ساتھ نہایت نرم سلوک کیا۔ ان کو اپنے دینی معاملات میں مکمل آزادی

بخشی۔ اور ایا صوفیہ کے عظیم الشان کنیسہ کے سوا تمام گرجے عیسائیوں کے پاس رہنے دیئے۔ ایا صوفیہ کو خدائے واحد کی پرستش کا مقام بنا دیا گیا۔ (اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم کی حکومت نے مسجد ایا صوفیہ کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا)

قسطنطنیہ کی فتح نے جہاں دنیائے عیسائیت میں تہلکہ ڈال دیا اور تمام یورپ کو ششدر کر دیا۔ وہاں تمام عالمِ اسلامی میں جشن منایا گیا اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین اور علماء و شعراء نے سلطان محمد فاتح کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے۔ اس سے پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر آٹھ بار حملہ آور ہو چکے تھے۔ پہلا حملہ ۵۲ھ میں ہوا جس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شریک ہوئے۔ دوسرا حملہ ۹۸ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں۔ تیسرا ہشام کے عہد ۱۲۱ھ میں۔ چوتھا مہدی عباسی کے عہدِ حکومت ۱۶۵ھ میں۔ پانچواں ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں۔ چھٹا اور ساتواں بایزید یلدرم کے عہد میں۔ آٹھواں مراد ثانی کے عہدِ حکومت ۸۲۵ھ میں۔ نواں اور آخری حملہ سلطان محمد فاتح کا تھا جس میں شہر فتح ہو گیا۔ اور اسی وقت سے قسطنطنیہ ترک بادشاہوں کا پایۂ تخت قرار پایا۔

تربتِ ابو ایوبؓ کی تلاش

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ابو ایوبؓ انصاریؓ کی قبر مدتوں سے زمین میں مستور ہو چکی تھی لیکن دنیا کے ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ اسلام کا یہ بطلِ جلیل فصیل قسطنطنیہ کے سائے میں مدفون ہے۔ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر قابض ہونے کے فوراً بعد حضرت ابو ایوب کی جائے لحد کی تلاش شروع کر دی۔

کئی میل زمین کو کھدوانا آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ فتح کے تیسرے دن سلطان نے شیخ العصر شیخ شمس الدینؒ سے التجا کی کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی تربتِ پاک کی تلاش میں میری مدد فرمایئے۔

شیخؒ نے فرمایا کہ میں نے فصیل کے باہر ایک جگہ نور دیکھا ہے جو زمین سے آسمان تک جا رہا تھا۔ کیا عجب کہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کی جائے لحد یہی ہو۔ یہ فرما کر حضرتؒ مذکورہ مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر کافی دیر تک مراقبہ کیا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روحِ اقدس سے ملنے کی سعادت نصیب کی۔ انھوں نے مسلمانوں کو اس فتحِ عظیم پر مبارکباد دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہاری سعی مشکور کی کہ تم نے میری قبر کے قریب سے کفر و شرک کی تمام نجاستیں دور کیں۔"

سلطان نے عرض کی: "یا حضرت اس بندۂ پُر تقصیر کو بھی کوئی ایسی علامت دکھایئے جس سے میرا دل مطمئن ہو جائے۔"

حضرت شیخ نے پھر مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا: "اس مقام کو کھود و یقین ہے کہ اسی جگہ حضرت ابوایوب انصاری کی قبر مستور ہے۔"

سلطان کے حکم سے اسی وقت اس جگہ کو کھودا گیا۔ سطحِ زمین سے چند فٹ نیچے سنگِ مرمر کا ایک کتبہ نکلا اس پر عبرانی زبان میں کچھ الفاظ کندہ تھے۔ عبرانی زبان جاننے والوں نے یہ الفاظ پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہی حضرت ابوایوبؓ انصاری کی قبر ہے۔ یہ پتھر قبر سے باہر دیوار میں اب بھی لگا ہوا ہے۔

نوجوان سلطان جس نے ابھی اپنی عمر کی صرف تیئس بہاریں دیکھی تھیں۔ اپنے آقا و مولا سید الانبیاءؐ کے اس عظیم المرتبت اور جامع فضائل صحابی کی جائے مدفن دیکھ کر فرطِ مسرت سے بیخود ہو گیا اور بے اختیار سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ سلطان نے اس مقام

پر ایک عظیم الشان گنبد تعمیر کرایا اور اس کے قریب ایک جامع مسجد تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ مسجد مکمل ہو گئی تو سلطان بڑے کر و فر سے اس مسجد میں گیا اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد شیخ شمس الدینؒ نے سلطان کے ہاتھ میں تلوار دی اور اسے دعائے خیر و برکت دی۔ اس کے بعد صدیوں تک یہ رسم رہی کہ ترکی کا جو سلطان تخت نشین ہوتا وہ پہلے جامع ابوایوبؓ میں حاضر ہوتا اور شیخ العصر شمس الدینؒ کی عطا کردہ تلوار اپنی کمر پر باندھتا۔ اس کے بعد باضابطہ اس کی تخت نشینی کا اعلان کیا جاتا۔ گویا یہ رسم ترک بادشاہوں کی کارونیشن (CORONATION) یعنی تاجپوشی کے مترادف بن گئی۔ اتاترک مصطفٰے کمال پاشا نے ترکی میں ملوکیت کا خاتمہ کر کے جمہوریت کی بنیاد رکھی تو اس رسم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

درگاہ حضرت ابوایوبؓ انصاری

قسطنطنیہ صدیوں تک اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ گو ترکی کا دارالحکومت یہاں سے انقرہ منتقل ہو چکا ہے۔ لیکن حضرت ابوایوب انصاریؓ کی ابدی آرام گاہ ہونے کی وجہ سے اس شہر کو "شہرتِ عام اور بقائے دوام" کا جو درجہ مل چکا ہے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ کا خوشنما اور عظیم الشان گھاٹ (گولڈن ہارن یا شاخ زریں) جس خلیج کے دہانہ پر واقع ہے وہ بھی "خلیج ابوایوبؓ" کے نام سے موسوم ہے۔ قسطنطنیہ کے جس محلے میں حضرت ابوایوبؓ کا مقدس مزار ہے وہ گولڈن ہارن کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ مزارِ مبارک کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے۔ درگاہ میں ہزاروں کبوتر ادھر اُدھر اڑتے نظر آتے ہیں۔ قبر کا تعویذ زمین کی سطح سے

کم وبیش چھ فٹ اونچا ہے۔ اس کے ارد گرد نہایت خوبصورت جالی لگی ہوئی ہے۔ مزار کی پوری عمارت منقش ہے۔ اعلیٰ درجہ کی تزئین۔ دیدہ زیب پھول اور دلفریب گلکاری۔ مزار پر نہایت بیش قیمت اور نفیس چادر پڑی رہتی ہے اور چاروں طرف بیسیوں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کتبوں کا خط اتنا پاکیزہ ہے کہ دیکھ کر آنکھوں میں نور آتا ہے اور ترکی کے چابک دست خوشنویسوں کی مہارتِ فن کی داد دینی پڑتی ہے۔[1] مزار مبارک پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ احاطۂ مزار کے ایک گوشے میں ایک کنواں تھا لوگ تبرکاً اس کا پانی گھر لے جاتے تھے۔ مزار مبارک کے قریب ایک قبرستان ہے جو گورستانِ ابوایوب انصاریؓ کے نام سے مشہور ہے۔ اس گورستان میں دفن ہونا بڑی سعادت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ ترکی کے کئی اکابر اور مشاہیر علماء ومشائخ اس قبرستان میں دفن ہیں۔

روضۂ مبارک کے قریب ہی سلطان محمد فاتح کی تعمیر کردہ عظیم الشان جامع مسجد آج بھی قسطنطنیہ کی یاد دلا رہی ہے۔ جامعِ ابوایوب کی عمارت اور صحن بہت وسیع ہے۔ نماز کے اوقات میں یہاں بہت رونق ہوتی ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے دن تو کہیں تِل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ جامع کے ایک کمرے میں سبز چادر میں لپٹا ہوا ایک علَم بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ تاریخی علَم ہے جسے حضرت ابوایوب لڑائیوں میں علمبردار کی حیثیت سے اٹھاتے تھے۔ سلاطینِ ترکی کے زمانہ میں مزار سے متعلق ایک

---

[1] ماخوذ از سفرنامہ جناب فتح محمد صاحب شیفتہ ریٹائرڈ ڈپٹی چیف کنٹرولر امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ حکومت پاکستان۔

مدرسہ بھی تھا جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ بھی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اسمِ گرامی سے منسوب تھا۔ افسوس کہ یہ مدرسہ اب بند ہو چکا ہے۔ تاہم تجدد پسندی کے اس دور میں بھی ترک حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار مبارک اور جامع ابوایوب کی بیحد تعظیم کرتے ہیں۔

قسطنطنیہ ــــــ جسے میزبانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شاعرِ مشرق حکیم الاُمّت علامہ اقبالؒ اس کی عظمت کے بارے میں یوں نغمہ پیرا ہوئے ہیں۔

نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا[1]
اے مسلماں ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کُشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

مدینہ منورہ میں آثارِ ابوُایوبؓ

حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مکانات مسجدِ نبوی کی مشرقی جانب واقع تھے اور آج بھی بہ تغیرِ صورت موجود ہیں۔ مدینہ منورہ میں ایک کنواں بھی "بئیر ابوایوب" کے نام سے صدیوں تک

---

[1] اس مصرع میں حضرت ابوایوب انصاری کا نام "ایوب انصاریؓ" ضرورتِ شعری یا سہوِ نظر کی بنا پر لکھا گیا ہے۔

موجود رہا۔ اسے نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا خیال ہے کہ یہ کنواں حضرت ابوایوبؓ نے اللہ کے نام پر وقف کر دیا تھا۔ آج کل یہ کنواں موجود نہیں ہے معلوم نہیں کس طرح معدوم ہو گیا۔



خانگی زندگی

ازواج و اولاد

مختلف روایات کے مطابق حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ اُن کی ایک بیوی کا نام اُمِّ حسنؓ بنتِ زیدؓ بن ثابت تھا۔ ان کے بطن سے ایک بیٹے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے جن کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا اور ان سے نسل نہیں چلی۔

دوسری زوجہ محترمہ کا نام اُمِّ ایوب انصاریہؓ تھا۔ (ان کا اصل نام کسی کتاب میں درج نہیں اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں) یہ خاتون مشہور صحابیہ ہیں اور ان سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ اپنے شوہرِ محترم کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف ان کو بھی حاصل ہوا۔ وہی حضورؐ کے لیے کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔

حضرت اُمِّ ایوبؓ کے بطن سے جو اولاد ہوئی اس میں سے ایوب، خالد اور محمد تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہ کے نام معلوم ہیں۔ حضرت ابو ایوب کی اولاد کو اللہ تعالیٰ

نے بڑی کثرت اور ترقی عطا فرمائی ۔ دنیائے تصوف کے نامور بزرگ شیخ الاسلام پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاریؒ حضرت ابوایوبؓ ہی کی نسل سے تھے [1] ان کی اولاد نواحِ ہرات اور افغانستان کے دوسرے علاقوں میں آج بھی موجود ہے ۔

---

[1] شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہروی الملقب بہ پیر ہرات یا پیر ہروی شعبان ۳۹۶ھ میں ہرات یا قندز میں پیدا ہوئے والد کا نام ابومنصور محمد انصاریؒ تھا جو مشہور قاری اور زاہد تھے اور عارفِ زمانہ شیخ حمزہ عقیلیؒ کے شاگرد تھے ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں ہرات تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا تھا اس لیے ان کی اولاد کو بھی ہرات سے بڑا انس پیدا ہو گیا تھا اور حضرت ابوایوبؓ کے ایک پوتے یا پڑپوتے ہرات جا بسے تھے ۔ خواجہ عبداللہؒ انہیں کی اولاد سے تھے ۔ ان کا شمار سلاجقہ عظام کے اکابر محدثین وصوفیہ میں ہوتا ہے ۔ ابتدائی زندگی بڑی عسرت اور فلاکت میں گزاری ۔ رات کو اپنی پاک نفس والدہ کے ساتھ مل کر عبادت میں مشغول رہتے اور دن کو والد کے ساتھ محنت مزدوری کرتے تھے ۔ ۴۱۶ھ میں نیشاپور جا کر یحییٰ بن عمار طاقی سجستانی اور بشری سنجریؒ جیسے فضلائے زمانہ سے قرآن حدیث فقہ اور ادب کی تعلیم حاصل کی اور تصوف میں قاضی ابومنصور ازدی سے استفاضہ کیا ۔ اسی زمانے میں شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے بھی ملے اور ان سے فیض اٹھایا ۔ ۲۴-۴۲۳ھ میں وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے واپسی میں کچھ دن بغداد ٹھہرے اور پھر مستقلاً ہرات میں مقیم ہو گئے ۔ انہوں نے ظاہری اور باطنی علوم میں ایسا کمال حاصل کیا کہ تمام عالمِ اسلام میں غلغلہ پڑ گیا ۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے دو بزرگ حضرت یوسف انصاریؒ اور حضرت علاؤالدین انصاریؒ ہندوستان تشریف لے آئے۔ ہندوستان اور پاکستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) - فقہ میں حنبلی مسلک کے پیرو تھے اور احکام شرع کی نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے۔ ان کی ذات شریعت اور طریقت کی جامع تھی اور ان کے شب و روز درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں گزرتے تھے۔ بڑے حق گو، بے باک اور شعلہ بیان خطیب تھے ان کے خطبات و مواعظ سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگوں نے فسق و فجور سے توبہ کر لی۔ نہایت مستغنی المزاج تھے اور کسی حاکم یا وزیر سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں ہرات اور نواح کے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور اس کا خرچ ان کے شاگرد برداشت کرتے تھے۔ ۴۷۳ھ میں خواجہ عبداللہ کی بصارت معدوم ہو گئی لیکن ان کے وعظ و ارشاد کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ ۲۲ ذی الحجہ ۴۸۱ھ کو اس رجلِ عظیم نے ہرات میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ مزار آج تک مرجع خلائق ہے۔

خواجہ عبداللہؒ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے بے مثل ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔ انہوں نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ منازل السائرین ——— دس جلدوں میں ہے اور تصوف کی کتابوں میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ کشف الاسرار و عدۃ الابرار (تفسیر قرآن) — اس کی بھی دس جلدیں ہیں۔

۳۔ مناجات نامہ

۴۔ کنز السالکین یا زاد العارفین

۵۔ طبقات الصوفیہ

۶۔ صد میدان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے انصاریوں کے مورثِ اعلیٰ یہی دو بزرگ ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری کی اولاد و احفاد کے حالات مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری نے اپنی کتاب "حضرت ابو ایوب انصاری کی اولاد ہندوستان میں" کے اندر بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ۷۔ قلندریہ ۸۔ واردات ۹۔ الٰہی نامہ
۱۰۔ نہج الخاص

خواجہ انصاریؒ کی بعض کتابوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں چھپ چکا ہے اس طرح اہلِ یورپ بھی ان سے متعارف ہو گئے ہیں۔

خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے :۔

صد سال اگر در آتشم مہل بود آں آتش سوزندہ مرا سہل بود
با مردم نااہل مبادا صحبت کز ہر چہ بتر صحبت نا اہل بود

اندر رہِ حق تصرف آغاز مکن چشم خود را لعیب کس باز مکن
سر ہمہ بندگان خدا می داند در خود نگر و فضولی آغاز مکن

دی آدم دنیا مد از من کارے امروز زمن گرم نشد بازارے
فردا بردم بے خبر از اسرارے - ناآمدہ بہ بودے ازیں بسیارے

در غنا خواہی ز مردم پیر انصاری تو خود قانع و راضی ز حق بر قسمت ہر ذرہ باش

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذریعۂ معاش

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ذریعۂ معاش کے متعلق کتبِ سِیَر میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ یہ بات تمام مؤرخین نے بلا اختلاف لکھی ہے کہ حضرت ابوایوبؓ قبیلہ بنو نجار کے رؤسا میں سے تھے۔ چونکہ انصار بالعموم زراعت پیشہ تھے۔ ان کی ریاست وامارت زمین اور باغات کی ملکیت سے مختص تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہجرتِ نبویؐ کے وقت حضرت ابوایوبؓ اُس قدر زمین اور باغات کے مالک ضرور ہوں گے جو انھیں رئیس مشہور کرنے کے لیے کافی تھے۔ ہجرت کے بعد جس دو منزلہ مکان میں سرورِ دوجہاںؐ نے نزولِ اجلال فرمایا وہ بھی حضرت ابوایوبؓ کی ذاتی ملکیت میں تھا۔ ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مکان سے متصل حضرت ابوایوبؓ کا ایک (کھجوروں کا) باغ بھی تھا۔

انصار میں صنعت و حرفت کا رواج بہت ہی کم تھا۔ معدودے چند لوگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غیر تسلیم و رضا انصار یا تعلیم نیست عقل عاجز را کہ خواند مردِ میدانِ ازل

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، خواجہ عبداللہ انصاریؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب "مناقب خواجہ عبداللہ انصاریؒ" لکھی جس میں خواجہ موصوف کے مناقب اور کمالات بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

مختلف دستکاریوں کے ذریعے اپنی معاشی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا ذریعۂ معاش پارچہ بافی تھا۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ آپ کا اصل پیشہ تو دوسرے انصار کی طرح کھیتی باڑی ہی تھا۔ البتہ ہوسکتا ہے کہ معاشی آسودگی کے لیے آپ نے پارچہ بافی کا اضافی پیشہ اختیار کر رکھا ہو۔

صاحب "معارج النبوۃ" نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی پارچہ بافی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے :۔

"در روایتے آں ست کہ چوں ناقہ بر درِ خانۂ ابوایوبؓ سینہ بر زمین نہاد و جبریل علیہ السلام نازل شد و گفت یا محمدؐ ایں جا فرود آکہ ابوایوبؓ حق تعالیٰ را تواضع نمودن آں وقت کہ تو بر در مدینہ نزول کردی۔ مردم خانہ ہائے خود را بر آراستند تا آنجا نزول فرمائی، ابوایوبؓ در دلِ خودمی گفت کہ من مرد ضعیف و فقیر و بافندہ ام و رسولؐ از من عار دارد و در خانہ من نزول نہ فرماید، چوں او تواضع نمود و خود را ازیں معنی دور دید تو بخانہ او فرود آئی۔

چنانچہ کشتی نوح علیہ السلام بر کوہِ جودی فرود آمد بہ سبب او، و تجلی بطور سینا وارد گشت بجہت فروتنی او۔"

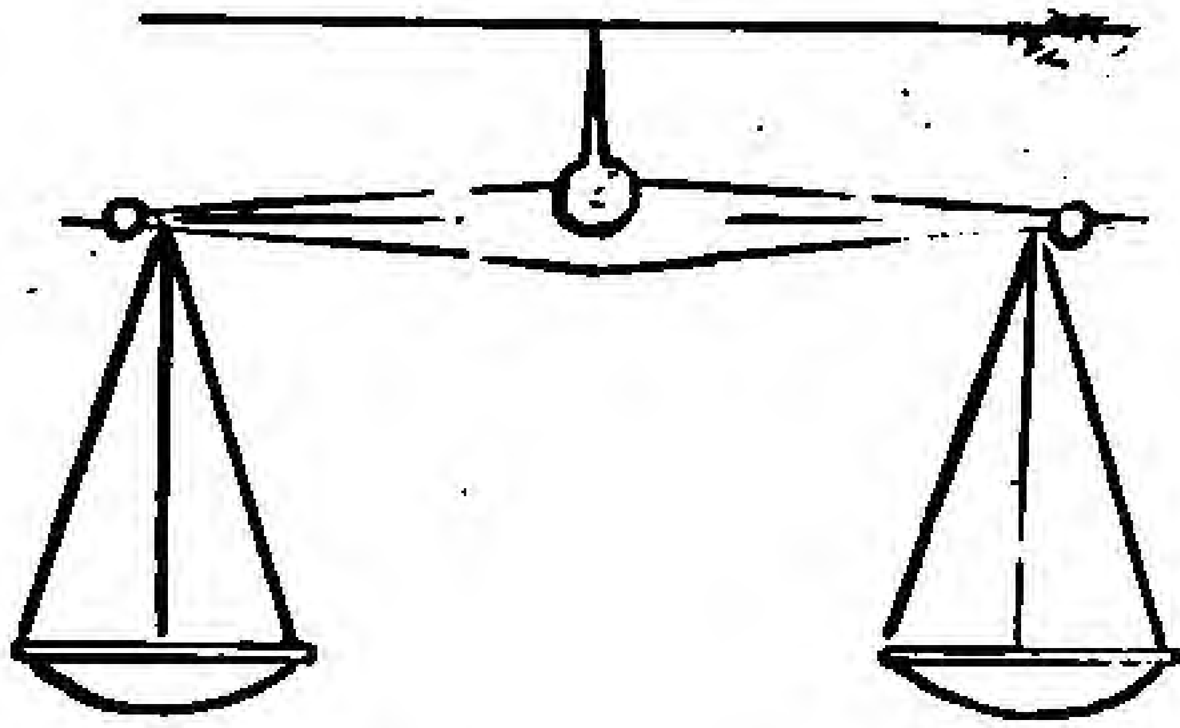
ترجمہ :۔ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ نے حضرت ابوایوبؓ کے دروازے پر پہنچ کر اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا " اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی جگہ ناقہ سے اتر آیئے کیونکہ

ابوایوب نے بارگاہِ خداوندی میں اس وقت بڑے عجز کا اظہار کیا ہے۔ جب آپ مدینہ کے دروازے پر تشریف لائے۔ تو لوگوں نے اپنے مکانوں کی خوب تزئین و آرائش کی تاکہ آپ ان کے یہاں تشریف فرما ہوں۔ لیکن ابوایوبؓ نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایک مسکین اور فقیر پارچہ باف (کپڑا بُننے والا) ہوں۔ رسول اکرمؐ مجھ سے عار فرمائیں گے اور میرے یہاں نہ اتریں گے۔ چونکہ انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں اپنے عجز اور درماندگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو میزبانی کے شرف کا اہل نہ سمجھا۔ لہٰذا آپ انھیں کے مکان پر نزولِ اجلال فرمایا۔

کشتیٔ نوح جو کوہِ جودی پر ٹھہری اور تجلی حق تعالےٰ کوہ طور پر نازل ہوئی تو اس کا سبب بھی ان پہاڑوں کی یہی فروتنی تھی۔"

ہجرت نبویؐ سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا ذریعۂ معاش کچھ بھی ہو بہرصورت وہ اپنے خاندان کے آسودہ حال لوگوں میں سے تھے۔ اسی بناء پر مورخین نے انھیں بنو نجار کا رئیس لکھا ہے۔ ہجرت کے بعد جوں جوں اسلام کی فتوحات میں وسعت اور ترقی ہوئی مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی گئی۔ حضرت ابوایوب بھی پہلے سے آسودہ حال ہو گئے اور قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہجرت کے بعد انہوں نے پارچہ بافی کا پیشہ ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کو اس کی احتیاج ہی نہیں رہی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب تمام مسلمانوں کے ان کے حسبِ مراتب روزینے مقرر کیے۔ تو ملک میں بڑی مشکل سے کوئی صاحبِ احتیاج ملتا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا سالانہ وظیفہ بدری صحابی ہونے کی وجہ سے پانچ (یا چار) ہزار درہم مقرر ہوا اور وہ معاشی تفکرات سے کلیتًہ بے نیاز ہو گئے۔ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کے وظیفہ کی رقم بیس ہزار درہم سالانہ کر دی، اور غلاموں کی تعداد میں بھی معتد بہ اضافہ کر دیا۔ ایک مدت تک وہ مدینہ کی امارت پر بھی فائز رہے۔ غرض اللہ تعالےٰ نے جہاں انھیں دینی لحاظ سے عظیم مراتب عطا کیے وہاں دنیوی لحاظ سے بھی ان کو اغنیا میں شامل کر دیا تھا۔



عظمتِ کردار

حبِّ رسولؐ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل تھے۔ ان میں سب سے نمایاں وصف ان کا ذاتِ رسالتمآبؐ سے والہانہ عشق تھا۔ جس ذوق و شوق سے انہوں نے سرورِ عالمؐ کی میزبانی کی اور اس مدت میں جس ایثار اور وفاشعاری کا مظاہرہ کیا وہ ان کے عشقِ رسولؐ پر دال ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد رسولِ کریمؐ اس سے متصلہ حجروں میں منتقل ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی حضورؐ کبھی کبھی خانہ ابو ایوبؓ کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

ایک دن سرورِ کونینؐ کے خانۂ اقدس میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر بھی یہی حال تھا۔ حضورؐ بھوک کی حالت میں خانۂ اقدس سے باہر نکلے راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ اتفاق سے وہ بھی اس دن فاقہ سے تھے۔ سرورِ کونینؐ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابو ایوبؓ

کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو ایوبؓ اپنے کھجوروں کے باغ میں گئے ہوئے تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ابو ایوبؓ کی زوجہ محترمہ نے حضورؐ کو اہلاً و سہلاً کہا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ "ابو ایوب کہاں ہے۔" حضرت ابو ایوبؓ کا باغ مکان کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے حضورؐ کی آواز سنی تو کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر دوڑتے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ آدھے گوشت کا سالن پکوایا اور آدھے کے کباب بنوائے اور حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضورؐ نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا :-

"اسے فاطمہ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔"

حضرت ابو ایوبؓ نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے اپنے رفقائے کرامؓ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ پُر تکلف کھانا کھاتے ہوئے حضورؐ پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا :-

"حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیا دی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (یعنی ان نعمتوں کا حق تم نے کیسے ادا کیا) (حکایاتِ صحابہؓ)

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوبؓ کے مکان سے اپنے حجروں میں منتقل ہو گئے تو آپ کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے وہ روزانہ حضورؐ کی خدمت میں دودھ بھیجا کرتے تھے۔ ان انصار میں حضرت ابو ایوبؓ بھی تھے۔

سرورِ کونینؐ سے والہانہ محبت کی یہ کیفیت حضرت ابوایوبؓ میں تمام عمر رہی۔ وصالِ نبوی کے بعد عاشقانِ رسولؐ روضۂ اطہر کو دیکھ کر اپنے جذباتِ عشق و محبت کو تسکین دے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوایوب بھی اکثر روضۂ پاک پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ مروان بن الحکم کی امارتِ مدینہ کے دنوں میں ایک دفعہ حضرت ابوایوب انصاریؓ روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے اور جوشِ عشق میں اپنا چہرہ ضریحِ اقدس سے مَس کرنا اور رگڑنا شروع کیا۔ اتفاق سے مروان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے حضرت ابوایوبؓ سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"آپ کا یہ فعل خلافِ سنت ہے۔"

حضرت ابوایوبؓ نے جواب دیا:۔

"مروان میں کسی اینٹ اور پتھر کے ڈھیر کے پاس نہیں آیا بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔"

خاندانِ نبوّت سے تعلقِ خاطر

حضرت ابوایوبؓ کو خاندانِ نبوّت کے تمام افراد سے مخلصانہ تعلقِ خاطر تھا۔ وصالِ نبوی کے بعد وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنھوں نے کھلم کھلا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد خلافتِ مرتضوی کے دوران میں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پرجوش رفیق اور جاں نثار رہے۔ خاندانِ نبوّت سے اس تعلقِ خاطر کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ اور رسولِ اکرمؐ کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کی نظروں میں حضرت ابوایوبؓ کی بے حد قدر و منزلت تھی۔

جس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے) بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابوایوبؓ انصاری ان کی ملاقات کے لیے بصرہ تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کی تشریف آوری سے کمال درجہ کی مسرت ہوئی۔ انہوں نے بصرہ میں اپنا مکان سازو سمیت حضرت ابوایوب کی نذر کر دیا اور کہا کہ جس طرح آپ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کے لیے اپنا گھر خالی کر دیا تھا اسی طرح میری دلی مسرت بھی اسی میں ہے کہ آپ کی میزبانی کے لیے اپنا گھر خالی کر دوں اور اس کے اندر جو مال و اسباب ہے وہ آپ کی نذر کر دوں۔

واقعۂ افک میں جب منافقین نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی تو ابوایوبؓ کی اہلیہ اُمّ ایوب نے ان سے پوچھا:۔ "لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپ نے سنا۔" بولے، ہاں، لیکن یہ سب جھوٹ ہے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ لوگ جس بات سے اُمّ المؤمنین کو متہم کر رہے ہیں کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟" اُمّ ایوبؓ نے کہا۔ "خدا کی قسم ہرگز نہیں۔" فرمایا۔ "اگر تم ایسا نہیں کر سکتیں تو عائشہ صدیقہ کا درجہ اور کردار تو تم سے بہت بلند ہے۔"

شوقِ جہاد

ایک مسلمان کے سارے اعمال میں جہاد فی سبیل اللہ افضل ترین عمل ہے۔ حضرت ابوایوبؓ انصاری کا مطلعِ اخلاق جوشِ ایمان اور شوقِ جہاد کے انوار سے روشن تھا۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وصالِ نبوی کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے

دورِ خلافت میں طویل سفر کر کے کئی معرکوں میں مجاہدانہ حیثیت سے شریک ہوئے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت میں جنگِ نہروان میں خوارج کے خلاف نمایاں حصہ لیا۔ شوقِ جہاد کی انتہا یہ تھی کہ اسّی سال سے اوپر کی عمر میں غزوۂ روم میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ سے مصر پہنچے اور پھر وہاں سے بحیرہ روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ پہنچے۔

حق گوئی و بے باکی

حضرت ابوایوب انصاریؓ نہایت حق گو اور بیباک تھے۔ کوئی بڑی سے بڑی سے طاقت انھیں اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ حق گوئی کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی نے نمازِ مغرب میں کسی سبب سے دیر کر دی۔ حضرت ابوایوبؓ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے برملا کہا۔ "مَا ھٰذِہِ الصَّلٰوۃُ یَا عُقْبَہ ؟ عقبہ یہ کیسی نماز ہے۔ حضرت عقبہؓ نے جواب دیا کہ ایک کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہو گئی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا۔ "یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ مت بھولو کہ تم رسول اللہ کے صحابی ہو۔ تمہارا قول و فعل لوگوں کے لیے حجت بن سکتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے اگر تم صاحبِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہوئے بھی نماز میں تاخیر کرو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ حضورؐ بھی ضرور اسی وقت نماز ادا کرتے ہوں گے۔ یاد رکھو کہ کسی صحابی کا کوئی فعل نبی اکرمؐ کی سنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔"

حضرت عقبہؓ نے آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

ایک دفعہ حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے محض اپنی کاہلی کے باعث مساجد کے اماموں کو بلاکر تاکید کی کہ نماز ذرا دیر کر کے پڑھا کرو تاکہ میں بھی جماعت میں شریک ہو سکوں۔ حضرت ابو ایوبؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ فوراً مروان بن حکم کے پاس گئے اور فرمایا تمہیں نماز میں تاخیر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اگر تم نماز کی تقدیم و تاخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرو گے تو ہم تمہاری مخالفت کریں گے اور اگر حضورؐ کے عمل کو مشعلِ راہ بناؤ گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

ایک لڑائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ (بن ولید) نے چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر قتل کرا دیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ "یہ تو سفاکی اور وحشت ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے ایسے وحشیانہ سلوک کی ممانعت فرمائی ہے خدا کی قسم میں تو اس طریقہ سے ایک مرغ کو بھی مارنا جائز نہیں رکھتا۔" عبدالرحمٰنؓ نے اسی وقت کفارہ کے طور پر چار غلام آزاد کیے۔

حضرت ابو ایوبؓ حق گوئی کے ساتھ بحد کریم النفس اور رقیق القلب بھی تھے۔ غزوۂ روم میں بہت سے رومی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انھیں جہاز میں سوار کرا دیا گیا۔ اتفاقاً حضرت ابو ایوبؓ ان قیدیوں کی طرف جا نکلے دیکھا تو ایک قیدی عورت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ اس کے گریۂ بیکسی

کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کا بچہ اس سے چھین لیا گیا ہے اور جہاز میں کسی اور جگہ رکھا گیا ہے۔ حضرت ابوایوبؓ فوراً اس بچہ کو پکڑ لائے اور اس کو ماں کے حوالے کر دیا۔

قیدیوں کے افسرِ نگران کو حضرت ابوایوبؓ کا یہ کام ناگوار گزرا اس نے سپہ سالار سے اس دخل در اندازی کی شکایت کی۔ سپہ سالار نے آپ کو طلب کر کے بازپرس کی تو فرمایا۔ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستمگرانہ طریق سے منع فرمایا ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ میں ایسا جور و ستم اپنی آنکھوں کے سامنے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔"

امیرِ عسکر خاموش ہو گیا۔

غلام نوازی

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ایک غلام افلح نامی تھے۔ انہوں نے افلح کو مکاتب بنا کر آزاد کرنا چاہا۔ لوگوں میں یہ خبر پھیلی تو انہوں نے افلح کو مبارکباد دی۔ اسی اثناء میں حضرت ابوایوبؓ کا ارادہ کسی وجہ سے بدل گیا اور انہوں نے افلح کو کہلا بھیجا کہ تمہیں مثلِ سابق غلام بن کر رہنا ہو گا۔

افلح کے اہل و عیال پر مکاتبت کی تنسیخ ناگوار گزری۔ لیکن افلح حضرت ابوایوبؓ کے حسنِ اخلاق کے اتنے مداح تھے کہ انہوں نے برضا و رغبت معاہدۂ مکاتبت کو فسخ کر دیا اور حضرت ابوایوبؓ کی خدمت میں آ گئے۔ چند دن بعد حضرت ابوایوبؓ نے انھیں بلا شرط آزاد کر دیا اور فرمایا جو مال تمہارے پاس ہے وہ سب تمہارا ہے میں تم سے کچھ نہیں لونگا۔

جذبۂ اصلاح

حضرت ابو ایوبؓ کے قلب صافی میں ہر وقت مسلمانوں کی اصلاح کا جذبہ موجزن رہتا تھا۔ خلافِ سنت امور کو دیکھ کر آپ کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ ایک دفعہ شام اور مصر تشریف لے گئے وہاں مسلمانوں کے گھروں میں پاخانے قبلہ رخ بنے ہوئے تھے۔ آپ کو یہ صورت بہت بری معلوم ہوئی بار بار فرماتے "مسلمانو! پاخانوں کا قبلہ رُخ بنانا بہت بُرا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم پاخانے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ ادھر پشت کرو۔" حضرت ابو ایوبؓ سے مروی حدیثِ پاک کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ آج مسلمانوں کا بچہ بچہ قبلہ رخ ہو کر پیشاب یا پاخانہ کرنے کو گناہ سمجھتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت سالمؒ بن عبداللہ انصاری نے حضرت ابو ایوب کو دعوتِ ولیمہ میں بلایا۔ وہ ان کے مکان پر گئے تو دیکھا کہ دروازے پر تصویر دار پردے لٹک رہے ہیں۔ حضرت ابو ایوبؓ یہ دیکھ کر سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت سالمؒ کو ملامت کی اور مکان کے اندر داخل نہیں ہوئے۔

حیا

حضرت ابو ایوبؓ کی شرم و حیا کی یہ کیفیت تھی کہ جب کبھی گھر سے باہر کنوئیں پر نہانے کا اتفاق ہوتا تو چاروں طرف سے کپڑے کی اوٹ کر لیتے تھے۔

فضل وکمال

حفظِ قرآن

حضرت ابوایوبؓ انصاری ان جلیل القدر صحابہؓ میں شامل ہیں جنھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پورا قرآن حفظ کرلیا تھا۔ علامہ دمیریؒ نے حیوٰۃ الحیوان میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ سرورِ کونینؐ کے سامنے قرآن حفظ کرچکے تھے ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام بھی موجود ہے۔ محمد بن کعب قرظی کے نزدیک رسالتمآبؐ کے زمانہ میں صرف پانچ آدمیوں نے قرآن مجید حفظ کیا تھا ان میں حضرت ابوایوبؓ بھی تھے۔ دوسری روایتوں میں عہدِ رسالت کے حُفاظِ قرآن میں متعدد دوسرے صحابہ کرامؓ کا نام بھی درج ہے۔ بہرصورت حضرت ابوایوبؓ کا حفظِ قرآن اکثر اربابِ سیَر کے نزدیک مسلّم ہے۔

علمی مرتبہ

حضرت ابوایوبؓ علم وفضل کے اعتبار سے ایک متبحر عالم تھے اور ایک دنیا آپ کے کمالاتِ علمی کی معترف تھی۔ اس معاملہ میں ان کو مرجعیت عامہ کا شرف حاصل تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات جب کسی اختلافی مسئلہ میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تو اسے بہترین طریق پر حل کر دیتے۔ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوایوبؓ سے علمی استفاضہ کیا ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت براءؓ بن عازب، حضرت ابوامامہ باہلیؓ، حضرت زیدؓ بن خالد جہنی، حضرت عبداللہؓ بن یزید خطمی، حضرت مقدامؓ بن معدیکرب، حضرت جابرؓ بن سمرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اکابر تابعین میں حضرت عروہ بن زبیرؒ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت سالم بن عبداللہؒ، حضرت عطاء بن یسارؒ، حضرت عطاء بن یزید لیثیؒ، حضرت ابوسلمہؒ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیؒ حضرت ابوایوبؓ کے کمالاتِ علمی سے فیض یاب ہوئے۔

تفقہ فی الدین

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو "تفقہ فی الدین" میں کمال حاصل تھا۔ اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل آنِ واحد میں نہایت خوش اسلوبی سے حل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت مسورؓ بن مخرمہ میں اس بارے میں اختلافِ رائے پیدا ہوا کہ ایک شخص احرام کی حالت میں غسلِ جنابت کرتے

وقت اپنے ہاتھ سے سر مل سکتا ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ محرم اپنا سر دھو سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت مسورؓ بن مخرمہ کے نزدیک سر دھونا جائز نہیں تھا لیکن حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اس کے جواز کے حق میں تھے۔ دونوں بزرگوں نے عبداللہؓ بن حنین کو حضرت ابوایوبؓ کے پاس بھیجا کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے کیا ہے۔ جب عبداللہؓ حضرت ابوایوبؓ کے گھر پہنچے تو اتفاق سے وہ اس وقت دو لکڑیوں پر چادر سے پردہ کیے غسل ہی کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے بلند آواز سے اختلافی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابوایوبؓ نے اوٹ سے اپنا سر باہر نکالا اور اس پر ہاتھ لے جا کر اتارا۔ پھر ایک شخص سے کہا پانی ڈالو۔ اس نے آپ کے سر پر پانی ڈالا تو آپ نے ہاتھوں سے سر کو (کسی قدر) حرکت دی پھر ہاتھوں کو سر پر آگے سے پیچھے لے گئے اور واپس لائے۔ پھر فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح غسل فرماتے اور سر مبارک دھوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

ابن اسحاقؒ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک دن ان میں اور بعض دوسرے اصحاب میں اس مسئلہ پر بحث چھڑ گئی کہ نبیذ کس برتن میں بنائی جا سکتی ہے۔ قرع (برتن) پر نزاع پیدا ہوئی تھی۔ اتفاق سے حضرت ابوایوب انصاریؓ ادھر سے گزرے۔ بحث میں شریک لوگوں نے ایک آدمی کو آپ کے پاس دوڑایا اور اس میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا: "رسول اکرمؐ نے مزفت میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

اس شخص نے قرع کے لفظ کی تکرار کی مگر حضرت ابوایوب نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔

عاصم بن سفیان ثقفی جنگِ سلاسل میں شمولیت سے محروم رہ گئے تھے اس میں ان کے ارادہ کو کچھ دخل نہ تھا۔ وہ گھر سے جہادِ فی سبیل اللہ کے لیے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے ہی میں تھے کہ جنگ ختم ہونے کی اطلاع ملی۔ انھیں جہاد سے محرومی کا بہت دکھ ہوا۔ حسرت و یاس کے عالم میں امیر معاویہؓ کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے پاس حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی بھی موجود تھے۔ تینوں جلیل القدر صحابی تھے اور کمالِ علمی سے بہرہ ور تھے۔ عاصم نے براہِ راست حضرت ابوایوبؓ سے مسئلہ دریافت کیا اور امیر معاویہؓ اور حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت ابوایوبؓ نے ان کے استفسار کا جواب تو دے دیا لیکن دوسرے دونوں بزرگوں کی طرف عاصم کی بے توجہی انھیں پسند نہ آئی۔ عاصم کو جواب دے کر وہ خود حضرت عقبہؓ بن عامر کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ "کیوں عقبہ میں نے صحیح جواب دیا ہے۔"

حضرت عقبہؓ نے ان کے جواب کی تصدیق کی۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت ابوایوبؓ کے مبلغِ علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے وہاں ان کی منکسر المزاجی اور وسیع النظرفی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حضرت ابوایوبؓ کو حدیث سے جو والہانہ شغف تھا اس کا حال اگلے باب میں آئے گا۔

شغفِ حدیث

طلبِ حدیث

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو حدیثِ رسولؐ کی سماعت کا بیحد شوق تھا۔ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں حضرت عُقبہؓ بن عامر مصر کے امیر الخراج تھے۔ حضرت عُقبہؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے[1] حضرت ابو ایوبؓ کو معلوم ہوا کہ

---

[1] ابو عمرو عُقبہؓ بن عامر جہنی مشہور صحابی ہیں۔ رسولِ اکرمؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ جا کر مشرف باسلام ہوئے اور سرورِ عالمؐ کی خدمت گزاری کو اپنا شعار بنا لیا۔ سفر میں حضورؐ کی سواری کھینچنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے اور اکثر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ غزواتِ نبوی میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا البتہ عہدِ فاروقی کے شامی معرکوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ جنگِ صفین میں امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے۔ انھوں نے اپنے عہدِ حکومت میں عُقبہؓ کو مصر کا امیر الخراج اور امام بنا دیا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ ایک خاص حدیث کے راوی ہیں۔ اُن کو اس حدیث کی سماعت کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کے شوقِ سماعت نے بے چین کر دیا اور پیرانہ سالی کے عالم میں صرف ایک حدیث سننے کے لیے مدینہ منورہ سے مصر کا پُرصعوبت اور طویل سفر اختیار کیا۔ مصر پہنچ کر پہلے حضرت مسلمہؓ بن مخلد کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ میزبانِ رسول سے ملاقات کر کے نہایت مسرور ہوئے اور پھر پوچھا کہ سفرِ مصر کی زحمت کیسے گوارا فرمائی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ میں عُقبہؓ سے ایک حدیث سننے آیا ہوں کیونکہ عالمِ اسلام میں اس وقت اس حدیث کے جاننے والا اور کوئی نہیں۔ مجھے عُقبہؓ کے مکان کا پتہ بتا دیجیے۔

غرض مسلمہؓ سے وداع ہو کر حضرت عُقبہؓ کے مکان پر پہنچے اور ان سے وہ خاص حدیث دریافت فرمائی۔ جب وہ حدیث سنا چکے تو ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے چل دیئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ۴۷ھ میں امیر معاویہؓ کے ایما سے روڈس پر حملہ کیا اور اسی حملہ کے دوران میں مصر میں ان کے منصب پر مسلمہؓ بن مخلد مقرر کر دیئے گئے۔ حضرت عقبہؓ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔ وہ قرآن حدیث اور فقہ میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ خطابت اور شاعری میں بھی دخل تھا۔ سپاہیانہ فنون اور اسلحہ سے بڑی دلچسپی تھی بالخصوص تیراندازی میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے۔ راہِ حق میں بڑی فیاضی سے خرچ کرتے تھے اور لوگوں کو دوسروں کے عیوب ظاہر کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ ان سے ۵۵ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سات متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور قرآنِ حکیم کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ قرآن مجید کے قاری تھے اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

حافظ ابنِ عبد البرؒ نے اپنی کتاب " جامع بیان العلم وفضلہ " میں ابوسعید اعمیٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جس حدیث کے سننے کی خاطر حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے مدینہ منورہ سے مصر کا طویل سفر اختیار کیا وہ یہ تھی :-

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے مومن کی ایک برائی ڈھکی ، قیامت کے دن خدا اس کی پردہ پوشی کرے گا "

مسندِ احمد حنبلؒ میں ہے کہ یہ حدیث حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاریؓ [1] کے پاس تھی ۔ اور حضرت ابو ایوبؓ یہ حدیث سننے کے لیے حضرت مسلمہؓ ہی کے پاس مصر

---

[1] حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے وہ انصار کے خاندان خزرج سے تھے ۔ سلہ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۔ صغر سنی کی وجہ سے غزواتِ نبویؐ میں شریک نہ ہو سکے ۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں تسخیرِ مصر میں نمایاں حصہ لیا ۔ حضرت عمرؓ انہیں ایک ہزار شجاعانِ عرب کے برابر تسلیم کرتے تھے ۔ جنگِ صفین میں امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے ۔ انہوں نے ۴۷ھ میں حضرت مسلمہؓ کو مصر اور افریقہ کا حاکم مقرر کر دیا ۔ مسلمہؓ نے اپنے فرائضِ منصبی نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے انجام دیئے اور اپنے عہدِ امارت میں بربریوں اور رومیوں کے خلاف کئی بری اور بحری مہمیں بھیجیں ۔ محکمۂ مذہبی کے افسرِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے مساجد میں اذان اور روشنی کا نہایت عمدہ انتظام کیا ۔ ۶۲ھ میں وفات پائی ۔ قرآن کے حافظ تھے اور حدیث میں بھی مرجعِ خلائق تھے ۔

گئے تھے۔ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی بھی اسی غرض سے ان کے پاس گئے تھے اور حدیث سُنی تھی۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوایوبؓ سماعت حدیث کے لیے مصر تشریف لے گئے تھے۔

اشاعتِ حدیث

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو اشاعتِ حدیث کا بڑا خیال رہتا تھا اور وہ لوگوں کو نہایت شوق سے حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ کسی شخص کو خلافِ سُنّت فعل میں مصروف دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور اپنی تنبیہ کے جواز میں اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناتے۔ اشاعتِ حدیث کے چند واقعات اُن کی حق گوئی کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس پاکیزہ شوق کی انتہا یہ تھی کہ بسترِ مرگ پر بھی اشاعت حدیث میں مصروف تھے۔ اس وقت لوگوں نے ان سے ایک ایسی حدیث سنی جو اس سے پیشتر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے علم میں نہ تھی۔ انہوں نے اس موقع پر لوگوں کو بتایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی کہ وہ ان کی مغفرت کرے۔"

روایتِ حدیث

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ایک سو پچاس[۱۵۰] احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے پانچ متفق علیہ ہیں۔ "دائرہ معارف اسلامیہ" میں ہے کہ جلاء القلوب

کے مصنف نے حضرت ابوایوبؓ کی مرویات کی تعداد ۲۱۰ بتائی ہے لیکن جمہور علماء نے ان سے مروی احادیث کی تعداد ۱۵۰ ہی بتائی ہے۔ بہرصورت روایت حدیث کے لحاظ سے حضرت ابوایوبؓ کا شمار صحابہ کرامؓ کے طبقہ سوم میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ کرامؓ جن کی روائتیں سو یا سو سے زیادہ مگر پانچ سو سے کم ہیں۔ اس طبقہ میں حضرت ابوایوبؓ انصاری سمیت کل چھبیس صحابہ ہیں۔ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوایوبؓ سے روایات بیان کی ہیں ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت انسؓ بن مالک حضرت ابوامامہ باہلیؓ۔ حضرت براءؓ بن عازب۔ حضرت زیدؓ بن خالد جہنی۔ حضرت عبداللہؓ بن یزید خطمی۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ۔ حضرت ابوصرمہ انصاریؓ۔ حضرت مقدامؓ بن عمرو بن معدی کرب۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی چند احادیث بطور تبرک نیچے درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے۔ پھر عید الفطر کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو اس نے گویا سال بھر کے روزے رکھے (صحیح مسلم)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم رفع حاجت کو جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ کرکے نہ بیٹھا کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرکے۔ نہ پیشاب کے وقت اپنا منہ [illegible] یا پچھم

کے رُخ بیٹھا کرو)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہادِ فی سبیل اللہ میں صبح و شام کوشش کرنا بہتر ہے ہر اس شے سے جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا۔ (یعنی جہاد دنیا کی ہر چیز سے افضل ہے) (صحیح مسلم)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے اناج کو تولا نہ کرو۔ تمہارے لیے اس میں برکت ہوگی۔ (صحیح بخاری)

۵۔ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے بہشت میں داخل کرے اور آگ سے دور کرے۔

آپؐ نے فرمایا تو اللہ کی عبادت کر۔ کسی کو اس کا شریک نہ کر۔ نماز قائم کر۔ زکوٰۃ ادا کر اور برادری کے لوگوں سے ملاپ کر۔ (صحیح بخاری)

۶۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو حلال و درست نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان سے تین رات سے زیادہ ایسی جدائی کرے (ناراض رہے) کہ دونوں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے منہ پھیرلیں۔ وہ بھی اور یہ بھی۔ اور ان دونوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام علیک پہلے کہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۷۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے اور پیتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَہٗ وَجَعَلَ لَہٗ مَخْرَجاً یعنی ہر طرح کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے جس نے کھلایا پلایا اور اس

کھانے پینے کی چیز کو آسانی کے ساتھ حلق سے اتارا اور اس کے نکلنے کی راہ پیدا فرمائی۔ (ابوداؤد)

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں۔ شرم وحیا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، نماز اچھی طرح پڑھے۔ زکوٰۃ ادا کرے۔ کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا۔ "یا رسول اللہ کبائر کی تفصیل کیا ہے۔" فرمایا۔ "خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ (مستدرکِ حاکم)

۱۰۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص شرک سے پاک وصاف مر جائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (مسندِ احمدؒ)

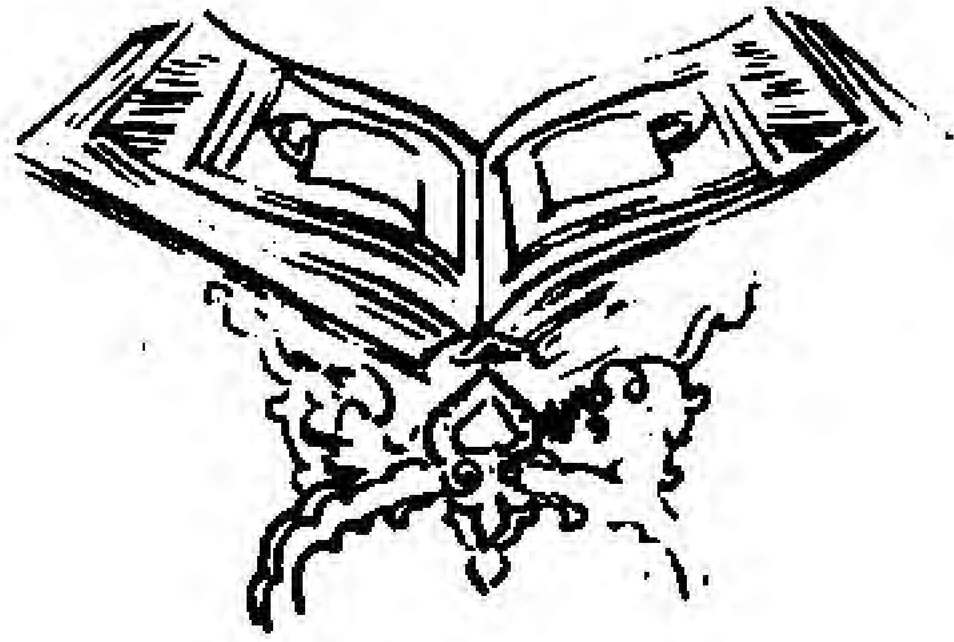
۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اس سے کھانے میں برکت ہوگی ورنہ اس میں بے برکتی ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

۱۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ "کلمۂ توحید" دس بار پڑھے گا تو اس کا ثواب اتنے کے برابر ہوگا جس نے چار غلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے آزاد کیے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ :- نہیں کوئی خدا کے سوا بندگی کے لائق۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اُسی کو پادشاہی ہے اور اسی کو سب خوبیاں اور وہ ہر چیز کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

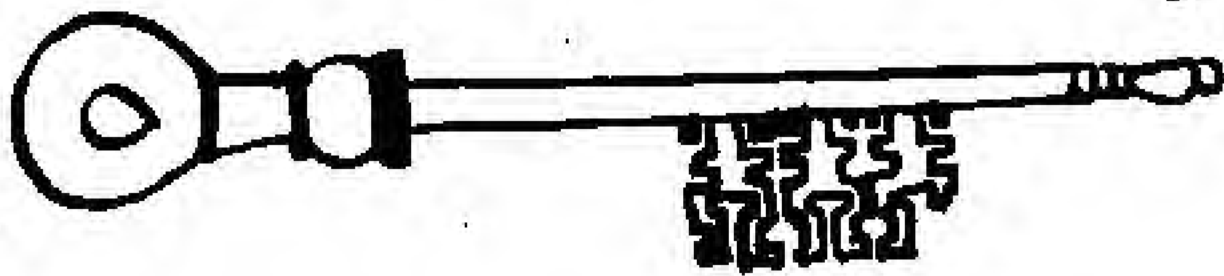


کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں :-

۱۔ جامع الصحیح ——— امام بخاریؒ
۲۔ صحیح مسلم ——— امام مسلمؒ
۳۔ مسند احمد ——— امام احمد بن محمد بن حنبلؒ
۴۔ کتاب الاصابہ ——— ابنِ حجر عسقلانیؒ
۵۔ اُسد الغابہ ——— ابنِ اثیرؒ
۶۔ طبقات الکبیر ——— ابنِ سعدؒ
۷۔ تاریخ طبری ——— محمد بن جریر الطبریؒ
۸۔ البدایہ والنہایہ ——— ابنِ کثیرؒ
۹۔ مشارق الانوار ——— [illegible]

۱۰- ریاض الصالحین ——— ابوزکریا یحییٰ بن شرف حزامی
۱۱- السیرۃ النبویہ ——— ابن ہشامؒ
۱۲- ارض القرآن ——— سید سلیمان ندویؒ
۱۳- مہاجرین ——— شاہ معین الدین احمد ندویؒ
۱۴- تاریخ الحرمین الشریفین --- عبد السلام ندویؒ
۱۵- سیرۃ النبیؐ (جلد اوّل) ——— شبلی نعمانیؒ
۱۶- سیر انصار (جلد اوّل) ——— سعید انصاریؒ
۱۷- سیرت کبریٰ ——— ابو القاسم رفیق دلاوریؒ
۱۸- حقائق الاخبار عن دول البحار ——— اسمٰعیل بک
۱۹- قسطنطنیہ ——— نوازش علی خان
۲۰- رحمۃٌ للعالمین ——— عابد میاں عثمانی
۲۱- زاد المعاد ——— ابن قیمؒ
۲۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ ——— (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) پنجاب یونیورسٹی
۲۳- اشاعتِ اسلام ——— مولانا محمد حبیب الرحمٰن
۲۴- سیر الصحابہ جلد ہفتم ——— شاہ معین الدین احمد ندویؒ



(کاتب:- محمد حفیظ قریشی عفی اللہ عنہٗ)